اجتہاد اور تقلید

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

www.insaaniat.org

صفحہ	عنوان	نمبر شمار

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1)	اصطلاحات	1
2)	قیاس، عقل، رائے	2
3)	اجماع	3
4)	علم الرجال	4
5)	فقیہہ	5
6)	اصول فقہ	6
7)	اجتہاد	7
8)	شیعہ مجتہدین کا نظریہ اجتہاد	8
9)	مجتہد	9
10)	تقلید	9
11)	مرجع تقلید، جامع الشرائط کی صفات وشرائط	10
12)	مقلدین عوام کو مرجع تقلید، جامع شرائط اختیار کرنے میں درپیش مشکلات	11
	☆ اعلم	11
	☆ بالغ، نیک، عقل وفہم درجہ کمال پر ہو	12
	☆ صحیح العقید و درست عمل	14
	☆ دیانت وامانت عدل وانصاف سے متصف، دنیاوی قباحتوں سے مبرا	14
	☆ برائیوں سے پاک اور بری الذمہ	16
	☆ آئمہ معصومین علیھم السلام کی طرف سے ان کے مقرر کئے جانے کا واضح حکم	16

13)	''جاہل عوام کیسے پتہ لگائیں کہ فلاں شخص مجتہد ہے؟''	18
14)	''نظریہ اجتہاد'' کے حق اور اختلاف میں دلائل	20
	☆ دعاوی/مقدمات	20
	☆ مقدمات کا ماحاصل	21
	☆ آیت نمبر 1	22
	☆ جواز: السید علامہ حائری صاحب	22
	☆ جواز پر تبصرہ	25
	☆ آیت نمبر 2	29
	☆ جواز: السید علامہ حائری صاحب	29
	☆ جواز پر تبصرہ	32
	☆ آیت نمبر 3	34
	☆ جواز: السید علامہ حائری صاحب	34
	☆ جواز پر ہمارا تبصرہ	36
	☆ علامہ السید الحائری مجتہد کی اجتہاد و تقلید کے جواز میں پیش کردہ نو عدد احادیث اور ہماری ناقدانہ نظر	40
15)	نظریہ اجتہاد سے اختلاف میں دلائل	48
	☆ دعویٰ نمبر 1	49
	☆ دعویٰ نمبر 2	52
	☆ دعویٰ نمبر 3	54
	☆ دعویٰ نمبر 4	56

☆ دعویٰ نمبر 5	57
16) زیر بحث نظام کے فوائد و نقصانات	58
17) حاصل بحث	64
18) حجتِ قاطع خطبات نمبر 17۔18 نہج البلاغہ	67
19) غیبت کبریٰ میں ہدایت و تقلید	73
☆ تعلیماتِ خداوندی منقطع نہیں ہوئیں	74
☆ اللہ، رسولؐ و آئمہؑ سے استفادہ کی راہیں کھلی ہیں۔	78
☆ غیبت کبریٰ میں ہدایت و تقلید کیسے اور کس کی؟	79
☆ معصومؑ ہدایت ملنے کا قدیم طریقہ آج بھی موجود	81
☆ نظام غیبت میں بھی انتہائی اور اصولی ہدایت طالبین کو معصومؑ راہنما خود دے گا	83
☆ واقعاتِ ملاقات و حاصلِ ہدایات	84

☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

قارئین کرام آپ کی خدمت میں اجتہاد اور تقلید کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اجتہاد جن معنی میں استعمال ہوتا ہے زیادہ تر لوگوں کو ان معنی کا علم نہیں۔کچھ لوگ اسے لازم قرار دیتے ہیں اور کچھ حرام۔تقلید کے بارے میں سب متفق ہیں کہ تقلید ضروری ہے لیکن کس کی؟ یہاں پھر تنازعہ ہے۔کچھ لوگ ہر حالت میں صرف معصوٗم کی تقلید واجب سمجھتے ہیں۔تو کچھ لوگ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں غیر معصوم کی تقلید کو بھی واجب قرار دیتے ہیں۔یہاں پر ہم دونوں مکتب فکر کا جائزہ لیں گے۔دیکھتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟؟ حقائق سامنے لانے کی جسارت پر اگر کسی کی دل آزاری ہو تو پیشگی معذرت کے طلبگار ہیں۔

اصطلاحی الفاظ:

اجتہاد:۔کوشش کرنا، جدوجہد کرنا۔ **مجتہد**، کوشش یا جدوجہد کرنے والا۔

فقہ: سمجھ بوجھ۔ **فقیہہ**: سمجھدار یا سمجھنے کی قوت رکھنے والا۔

اجماع: کسی حکم پر متفق ہوجانا یا جمع ہوجانا۔ **علم الرجال**: راویوں کی تحقیق کا فن

تقلید: قلادہ یعنی گردن میں گلوبند پٹہ پہن لینا۔

علم الدرایت:۔کسی چیز کا علم بذریعہ حواس خمسہ، عقل وفہم۔

اجتہاد کے ماخذ: کتاب، سنۃ، اجماع، دلیل عقلی (دلائل اربعہ، ادلہ شرعیہ)

”جس شخص نے سب سے پہلے یہ کہا کہ حق چار وجوہ سے پہچانا جاتا ہے۔کتاب، متفق علیہ حدیث، عقل اور اجماع سے وہ ہے ابو حذیفہ واصل بن عطا، جسے سب سے پہلے معتزلی کا نام دیا گیا تھا“ (روضات الجنات صفحہ 345)

قیاس، عقل، رائے کے بارے میں مختصر معلومات۔

عقل رائے اور قیاس و وہم و گمان یہ تمام چیزیں انسان کی راہنمائی کے لئے ضروری ہیں۔ عقل کا دارومدار ہمارے حواس خمسہ پر ہے۔ان حواس سے جو قوت نتیجہ اخذ کر کے کلیات مرتب کرتی ہے اسے عقل کہتے ہیں۔ وہم حواس سے بھی آگے آگے رہتا ہے وہم نہ ہوتو ہم تلاش و تحقیق پر آمادہ ہی نہ ہوں۔ وہم ہوتا ہے تو ہم متوجہ ہوتے ہیں۔ غور وفکر کرتے ہیں اب حواس اپنا کام کرتے ہیں اور عقل اس پر فیصلہ صادر کرتی ہے۔ یہ فیصلہ ہی ہماری رائے ہوتی ہے۔ چونکہ حواس کو مغالطہ ہوسکتا ہے۔اس لئے عقل مغالطہ کے ماتحت جو فیصلہ کرے گی وہ فیصلہ مغالطہ کے عین مطابق ہونے کی بنا پر تو صحیح ہے، لیکن حقیقت حال کے خلاف ہونے کی بنا پر غلط ہے۔یعنی یہ ہر وقت ممکن ہے، کہ ہم نے عقل کی روشنی یا عقلی دلیل سے ایک صحیح فیصلہ کیا ہو، مگر وہ حقیقت واقعی کے لحاظ سے غلط ہو۔ پھر عقل ایک ترقی پذیر قوت ہے جو تربیت اور ماحول کے ساتھ ہمیشہ سے ترقی کرتی چلی آئی ہے اور برابر ترقی کرتی چلی جائے گی۔ دماغی صدمہ سے عقل عارضی طور پر یا مستقل طور پر فنا ہوسکتی ہے۔یعنی عقل پر ترقی وتنزل دونوں وارد ہوتے ہیں۔ قیاس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہمیں پہلے سے معلوم ہوتا ہے، اس سے کسی نامعلوم چیز کو مطابق سمجھ لینا قیاس ہے۔ یہ طریقہ کبھی کبھی صحیح بھی نکل جاتا ہے لیکن عموماً غلط ہوا کرتا ہے۔اس لئے لازم ہے کہ ہر قیاس کی تحقیق کر کے یقین کی منزل تک پہنچا جائے۔اب سوال یہ ہے کہ رائے اور قیاس کی اتنی شدت سے مذمت کیوں کی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اللہ ورسولؐ یہ نہیں چاہتے کہ انسان اپنی توانائیوں کو ضائع کرے۔اس لئے یہ فرمایا گیا کہ قرآن اور رسولؐ جو حکم دے اس پر بلا

دغدغہ عمل شروع کردو۔ خواہ تمہاری عقل وبصیرت اور قیاس وتجربہ اس کی تعمیل میں مضرت ہی کیوں نہ ثابت کررہا ہو۔ بلاخوف اور یقین کے ساتھ عمل کرنے کا نتیجہ ہمیشہ مفید نکلے گا۔ اور چونکہ اللہ ورسولؐ یا معصومین علیہم السلام کے احکامات عقلِ مطلق یا عقل کل کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں کائنات وقوانین کا ہر پہلو مدنظر ہوتا ہے۔ کسی ایک انسان کا یا ساری نوع انسانی کا عقلی فیصلہ بہرحال محدود ونامکمل عقل کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس معصومؑ حکم میں دخل دینے سے مضرت ہی مضرت پیدا ہوگی۔ یہ سبب ہے کہ کسی بھی معاملہ میں عقل وقیاس رائے کے فیصلے کو آخری فیصلہ قرار دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ لہٰذا قرآن ورسولؐ کے ماننے والوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عقل وقیاس ورائے کو معصومؑ احکام کے ماتحت رکھیں۔ اور اپنا پورا زور اُن احکام پر من وعن عمل کرنے کی راہ نکالنے میں لگادیں۔ تاکہ تخریب پسند دماغوں کی پیش رفت سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور توانائی کو ضائع کئے بغیر حکمیہ طور پر ترقی کریں۔ اللہ ورسولؐ کے حکم کی بے چوں وچرا تعمیل میں پوری کائنات کی تائید ومدد حاصل رہے گی۔ اختلاف وانتشار سے حفاظت ہوگی۔ لہٰذا اس عقل وقیاس ورائے اور ظن کی مذمت کی گئی ہے جو آیت یا حدیث کی موجودگی میں آخری فیصلہ کرکے اسے دین کا فیصلہ قرار دے۔

اجماع:۔ چند علماء کا کسی حکم پر متفق ہوجانا

عامہ (وہ لوگ جو خلاف ونیابتِ رسولؐ کو ہر امتی کے لئے عام سمجھیں۔ اور ان تمام آیات و احادیث میں اجتہادی تاویلات کرلیں جو اللہ ورسولؐ نے خلافت ونیابت کے لئے فرمائی ہیں۔) کے مطابق چاروں ادلہ شرعیہ میں سے ہر ایک کی رو سے ہر حکم شریعت کا حکم ہے۔

یعنی اگر مجتہد کی عقل ایک حکم دے اُسے بھی خدا کا حکم مانا جائے گا اور اگر چند مجتہد حضرات ایک حکم پر اتفاق کرلیں تو وہ بھی خدا کی طرح واجب التعمیل ہوگا اور خلاف ورزی کرنے والا قابل سزا اور جہنمی ہے۔اسی اجماع کو ہتھیار بنا کر قرآن وحدیث کے واضح اور مسلمہ احکام کا یہ کہہ کر انکار کر دیا جاتا تھا اور ہے کہ:۔

''صحابہ کا اجماع اس معاملہ میں یوں نہیں بلکہ یوں ہے یا تھا۔لہٰذا قرآن اور حدیث کے احکام کی ایسی تاویل وتعبیر کرنا لازم ہے جو صحابہ کی تفہیم کے مطابق ہو۔صحابہ کے فیصلے کے خلاف قرآن یا حدیث کا حکم نہ ہوسکتا ہے اور نہ قابل قبول اور مصلحت عامہ کے مطابق قرار پاسکتا ہے''۔

خلاصہ (جو خلافت وامامت ونیابت کو بارہ معصوم اماموںؑ کے ساتھ مخصوص کر کے پوری امت کو رسوؐل کی جانشینی کا نااہل سمجھتے ہیں) یعنی مذہب شیعہ میں اجماع کو سب سے پہلے جناب سید مرتضٰی نے بطور دلیل شرعی داخل کیا۔ورنہ اس سے پہلے ادوار آئمہ علیھم السلام میں یہ لفظ ''اجماع'' ایک رد کیا ہوا لفظ ہے۔مذہب شیعہ میں غیر معصوم (خطا کار) لوگ دس کروڑ ہوں یا ایک ہو وہ سب مل کر بھی معصوم نہیں بن سکتے اور جب تک معصومؑ کا قول موجود نہ ہو ہم تمام دنیا کے متفقہ فیصلہ کو بھی اللہ کا فیصلہ نہیں مان سکتے۔لہٰذا ہم کسی اجماع یا اتفاق کو دین نہیں مانتے۔ہمارے مذہب میں قرآن وحدیث کے فیصلے ہی دین ہیں۔

علم الرجال: راویانِ احادیث کی تحقیق کا علم

اس علم کے تحت احادیث کے قبول کرنے یا صحیح یا غلط ہونے کے علم کیلئے راویانِ حدیث کو حسب ونسب، مسلم مشرک، منافق، دین دیانت پر پرکھا جاتا ہے۔

جب کہ رسولؐ پاک نے احادیث کو قبول کرنے کا اصول وضع فرمایا دیا ہے کہ:

"ایھا الناس ماء جاء کم عنی یوافق کتاب اللّٰہ فانہ قلتہ وماجاء کم عنی یخالف کتاب اللہ فلم اقلہ"

:"اَے لوگو میری (رسولؐ) طرف سے تم تک جو بھی آئے اگر وہ کتاب اللہ سے موافق ہو تو پس وہ میں نے کہا ہے۔ اور جو تم تک میری طرف سے پہنچے اور کتاب اللہ کے مخالف ہو پس وہ میں (رسولؐ) نے نہیں کہا"۔ (الکافی)

ما اتاکم عنا من حدیث لا یصدقہ کتاب اللہ فھو باطل. (محاسن خالد برقی)

"جو حدیث ہم (محمدؐ وآل محمدؐ) سے تمہاری طرف پہنچے اگر اللہ کی کتاب اس کی تصدیق نہ کرے تو وہ باطل ہے" (محاسن خالد برقی)

یہاں انتہائی معذرت اور افسوس کے ساتھ عرض ہے کہ حدیثِ نبویؐ کو پرکھنے کے لئے تو حسب نسب دین و دیانت وغیرہ کی شرط ہے لیکن شاید دستارِ اجتہاد باندھنے کے لئے ایک مجتہد اِن شرائط سے مبرہ ہے۔ کیونکہ فی زمانہ بھی ایک مجتہد حضرت موجود ہیں جن کا حسب ونسب مشکوک ہے اور اجازہ کیلئے اعلم کامل عقل فہم وادراک رکھنے والے اور اہل خبرہ حضرات اس کے حسب نسب، امانت و دیانت اور عقیدہ سے بے خبر رہے اور ہیں۔ ان کے باطل وفاسد عقائد مذہب شیعہ کے بنیادی عقائد کو متزلزل کرنے کیلئے کافی ہیں۔

<u>فقیھہ: سمجھ دار یا سمجھنے کی قوت رکھنے والا۔</u>

یہ لفظ عام ہے ہر سمجھ دار شخص کو فقیہہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مروج اصطلاحی معنی میں وہ حضرات جو اصولِ فقہ کو راہنما بنا کر ہر مسئلہ ان اصولوں کے ماتحت رکھ کر بیان کرتے ہیں

فقیہہ کہلاتے ہیں۔اصول فقہ ہی کی بناپر ان حضرات کو اصولئین بھی کہا جاتا ہے۔

آئمہ طاہرینؑ فقیہہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

''حقیقی فقیہہ وہ ہوتا ہے جو دنیا میں عیاشی اور لذتوں سے دور رہے۔ جسے آخرت کی تمنا ہو۔ جو سنتِ نبویؐ کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔(الکافی جلد اول صفحہ 77)

''جو کوئی ہماری احادیث میں سے کوئی سی بھی چالیس احادیث یاد کرلے قیامت کے روز اللہ اس کو ایک عالمِ فقیہہ کی پوزیشن میں اُٹھائے گا''(الکافی جلد اول صفحہ 52)

''ہم ہرگز ان فقہاء کو فقیہہ کا درجہ نہیں دیتے جو محدث نہ ہوں'' امام جعفر صادق علیہ السلام۔

''ہم کسی شخص کو اس وقت تک فقیہہ عالم شمار نہیں کرتے جب تک وہ ہمارے اقوال کی تہہ تک نہ پہنچ جائے''۔

معصوم اقوال کے مطابق فقیہہ صرف وہ ہوتا ہے جو دنیا دار نہ ہو، سنت نبویؐ کی اتباع کرتا ہو۔ کم از کم چالیس احادیث یاد ہوں۔صرف محدث ہو اور احادیث کہ تہہ تک پہنچنے کی عقل و فہم وقوت وادراک رکھتا ہو۔

اصولِ فقہ:

جس علم کو اصولِ فقہ کہا جاتا ہے، یہ مسلمانوں نے ایجاد نہیں کیۓ ہیں۔ بلکہ ہر نبیؑ کے زمانہ کے نام نہاد علماء اپنے نظام کو چلانے کے لئے جو جو تجربات کرتے چلے آئے تھے، یہ علم ان اصول وقواعد کا مجموعہ ہیں۔صدیوں پہلے یہ اصول فقہ یہود کے علماء میں جاری تھے۔ رومن قانون اور لاطینی ویونانی زبانوں میں مرتّب ومدوّن تھے۔چونکہ مسلمان حکومتوں کے یہاں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ماہر یا ماہرین یہود ونصاریٰ یا مجوسیوں میں سے

رہا کرتے تھے۔ جنہوں نے زمینوں کا بندوبست کیا، لگان اور خراج کے قوانین بنا کر دیئے، ان ہی کے توسط سے یہ اصول فقہ مسلمان علماء تک پہنچے۔

مسلمانوں میں تمام علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ اصول فقہ کو سب سے پہلے امام شافعی نے تصنیف کیا تھا (روضات الجنات صفحہ 345) ان کے بعد رفتہ رفتہ ان پر اضافے اور اصلاحات جاری رہی ہیں لیکن اُن میں کا ایک بھی اصول ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو ہم اسلام سے پہلے ریکارڈ میں نہ دکھا سکیں۔ یہ سمجھ لیں کہ اصول فقہ میں بڑے کام کی اور کارآمد باتیں ہیں لیکن یہ اصول اس وقت باطل ہو جاتے ہیں جب ایک نام نہاد عالم اُن اصولوں کو قرآن اور صاحبانِ قرآن پر حاکم بنا کر ان کو اپنے اور اِن قواعد کے ماتحت رکھتا ہے اور قرآن و حدیث کو نامکمل قرار دے کر اپنی قیادت قائم کرتا ہے۔

اجتہاد: مجتہدین حضرات اجتہاد کے اصطلاحی معنی یا بنیاد اس یقین پر رکھتے ہیں کہ:

''بعض احکام بعض معاملات کے فیصلے اور بیان، بعض حالات و اشیاء کی تفصیل نہ قرآن میں اللہ نے بتائی نہ احادیث رسولؐ اور سنتِ رسولؐ میں بیان ہوئی۔ لہٰذا ایسے معاملات و حالات کے پیش آنے پر ہم مجتہد لوگ قرآن اور حدیث میں جو کچھ ہے اسے سامنے رکھتے ہیں پھر عقلی اصول و قواعد و علمی بصیرت و تجربہ اور مصلحت عمومی کو سامنے رکھ کر ہم کوشش (استنباط، اخذ) یعنی اجتہاد کرتے ہیں اور ایک ایسے فیصلے پر پہنچتے ہیں جو خدا اور رسولؐ کو پسند ہو اور اگر ان کے سامنے وہ صورت حال آئی ہوتی تو وہ بھی یہی فیصلہ کرتے جو ہم نے اپنے اجتہاد و رائے و علم و بصیرت سے اخذ کیا ہے''۔

شیعہ مجتہدین کا نظریہ اجتہاد:۔ ۔''لیکن فرقہ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ:۔

(1) اللہ نے نہ کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے۔(2) اور نہ کسی چیز کے حکم کو مجتہد کی رائے کے تابع ٹھہرایا ہے۔(3) اور نہ آراء کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک ہی چیز کیلئے واقع میں متعدد احکام بنائے ہیں۔(4) البتہ جب مجتہد کی حکمِ واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی۔(5) تو تلاش اور تفحّص کے بعد جو نظریہ اُس کا قرار پاتا ہے۔ (6) اس پر عمل پیرا ہونا اُس کے لئے اور اُس کے مُقلّدِین کے لئے کفایت کرجاتا ہے۔(7) لیکن اس کی حیثیت صرف حکم ظاہری کی ہوتی ہے۔(8) جو حکم واقعی کا بدل ہے۔(9) اور ایسی صورت میں حکمِ واقعی کے چُھوٹ جانے پر وہ معذور قرار پاجاتا ہے۔(10) کیونکہ اُس نے اِس دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے اور اُس کی تہہ تک پہنچنے میں کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی۔(11) مگر اس پر کیا اختیار کہ دُرِّ شاہوار کے بجائے خالی صدف ہی اُس کے ہاتھ لگے۔(12) لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ دیکھنے والے اُسے موتی سمجھیں اور موتی کے بھاؤ بِکے۔(13) یہ دوسری بات ہے کہ کوششوں کا پرکھنے والا اُس کی بھی آدھی قیمت لگادے (14) تاکہ نہ اُس کی محنت اکارت جائے اور نہ ہی اُس کی ہمت ٹوٹنے پائے''۔(نہج البلاغہ جلد اول صفحہ 128 مفتی صاحب کا حاشیہ)

دونوں نظریات کے مطابق:

متفقہ طور پر مجتہد کا حکم واجب الاتباع، واجب التعمیل اور خلاف ورزی جرم ہے جس کی سزا دی جانا لازم ہے۔ وہ حکم خواہ اسوقت غلط معلوم ہو یا صحیح لگے ہر حال میں اسکی

اطاعت واجب ہے۔خلاف ورزی کرنے والا مجرم اوردونوں جہانوں میں سزا کا حقدار ہے (یعنی وہ حکم ،حکمِ خدااور رسوؐل ہے)اورگرخلاف ورزی عمداً ہواوراس پر اصرار کیا جائے تو اس کی سزا دنیا میں قتل اور آخرت میں جہنم ہے ۔اور جو مجتہد کی تقلید کے بغیر نیک عمل بھی کرے اللہ کے یہاں وہ روزہ،نماز حج وزکوٰۃ وغیرہ حرام ومردود ہے۔

مجتہد کے اصطلاحی معنی:

مذہبِ اسلام کا وہ ماہر عالم جوعلوم القرآن خصوصاً محکمات، متشابہات ،ناسخ منسوخ ،مقید،مطلق ،عام وغیرہ آیات کا کما حقہ علم رکھتا ہو۔احادیث کی تمام (49) اقسام اوران کے جانچنے کے تمام (50) اصولوں سے واقف ہو۔علم اصول فقہ،علم الرجال ،علم الدرایت ،فلسفہ،منطق وغیرہ 18 علوم کا ماہر ہو۔ان تمام علوم میں ماہر یا سپیشلسٹ ہونے کی بنا پر اپنی کامل عقل فہم وقوت ادراک اوراجماعی فیصلوں کو بروئے کارلاتے ہوئے جدید تقاضوں کے فروعی مسائل کا حل (جن کا حل قرآن وحدیث میں انہیں نہیں ملتا) قرآن و حدیث سے اخذ یا استنباط کر کے قابل عمل حل پیش کرتا ہو مجتہد کہلاتا ہے۔

تقلید:

علامہ سیدعلی الحائری وسیدابوالقاسم مجتہدین کتاب ''رسالۃ التنقید فی اثبات الاجتہادوالتقلید بالقرآن مجید'' میں تقلید کے لغوی معنی اوراصطلاحی تعریف (Definition) کرتے ہیں۔

''پہلی بات تقلید ہے۔ جو الفاظ کی بناوٹ کے علم کی رو سے تفعیل کے مصدر سے نکلتا ہے اور قلادہ سے بنتا ہے۔لغت میں اسکے معنی یہ ہیں کہ گردن میں گردن بند،گلو بند یا پٹہ پہن لینا۔جیسا کہ کسی جانور کی گردن میں پٹہ ڈال کر رسی سے باندھ دیا جاتا

ہے۔تا کہ وہ تقلید کے خلاف کوئی حرکت نہ کر سکے۔اسی طرح عوام جہلا اپنی گردن میں پٹہ اور مجتہد کی اطاعت کی رسی باندھ لیتے ہیں کہ وہ اسکی منشا کے خلاف حرکت نہ کر سکیں۔عرف عام میں تقلید یہ ہے کہ کسی کے قول یا مجتہد کے قول کو اختیار کرنا اور بلا دلیل مانگے اس پر اللہ کا حکم سمجھ کر عمل کرنا۔چونکہ عوام اپنی جہالت اور بے چارگی کیوجہ سے دین کو نہیں سمجھ سکتے لہٰذا انہیں دلیل و برہان کی کیا ضرورت ہے۔انہیں لازم ہے کہ دین کے معاملے میں مجتہد کی تقلید کریں اور شرع کے تمام فروعی مسائل کو بلا استدلال معلوم کریں اور بلا چوں و چرا عمل کریں اور مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم سمجھیں''۔

مرجع تقلید، جامع الشرائط مجتہد کی صفات وشرائط (رسالۃ التنقید)

(1) اعلم ہو (2) بالغ، نیک عقل وفہم درجہ کمال پر ہو (3) عقیدہ صحیح اور عمل درست ہو (4) دیانت و امانت کمال درجہ کی ہو (5) عدل و انصاف میں مشہور اور منصف ہو (6) دنیا کا طالب و فاسق نہ ہو رشوت نہ لیتا ہو (7) برائیوں سے پاک اور بری الذمہ ہو، رائے اور قیاس سے فتویٰ نہ دیتا ہو، برھانیات، مشھودات اور علماء کے متفقہ فتاویٰ کے خلاف نہ جاتا ہو۔(8) آئمہ معصومینؑ کی طرف سے اس کے مقرر کئے جانے کا واضح حکم موجود ہو۔

ہر وہ مجتہد جو اِن مذکورہ و پسندیدہ صفات کا حکم حامل ہو اور جن افعال کی مذمت ہوئی ہے ان سے بری ومنزہ ہو۔اور وہ تمام شرطیں پوری کرتا ہو جو اصول فقہ کے علم میں مجتہدین نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں واجب الاتباع ہے اس سے احکام حاصل کر کے عمل کرنا واجب ہے اور اگر ایسا نہیں تو اتباع و تقلید بھی واجب نہیں ہے خواہ وہ براہ راست اولادِ فاطمہؑ

میں سے ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ تمام علمائے وقت سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

مقلدین عوام کو مرجع تقلید، جامع شرائط مجتہد اختیار کرنے میں درپیش مشکلات

(1) اعلم: سب سے بڑا عالم۔ علمی درجہ بندی میں ہر ایک صاحب علم پر ایک زیادہ علم کا حامل رہتا چلا آیا ہے تاکہ حصول علم کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے اور قیامت تک نوع انسان پایہ تکمیل تک پہنچ جائے (یوسفؑ 12/76) یہ سلسلہ معصومین علیہم السلام پر رکتا ہے جہاں لاعلمی، جہالت اور ناواقفیت کی نفی کر دی گئی (4/113)

قَالَ اِنِّی اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (2/30)

''اللہ نے ملائکہ سے کہا کہ یقیناً میں اللہ اعلم ہوں اور تم سب لاتعلمون ہو''

اعلم کون ہیں؟

''میں رسولؐ اللہ کا پیدا کردہ ہوں (اسی لئے) اللہ کی کتاب کا اَعْلَمْ ہوں۔ (اعلم کے معنی کیا ہیں؟) اللہ کی اس کتاب میں آغازِ آفرینشِ کائنات سے لے کر قیامِ قیامت تک جو کچھ ہوا یا ہونے والا ہے سب موجود ہے۔ اس میں کُرّہ ہائے ارضی وسماوی کی اطلاعات ہیں۔ اس میں جنّت و دوزخ کا بیان موجود ہے (الغرض جو کچھ ہو چکا یا ہونے والا ہے) میں اُس تمام کو اُسی طرح اپنے سامنے دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ خدا نے فرمایا ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے''۔ (اصول کافی باب الرد الی الکتاب و السُّنَّة جلد اول حدیث نمبر 8) ان نصوص کی موجودگی میں عوام کسے اور کیونکر ''اعلم'' تصور کریں؟

علماء کسے سمجھیں؟

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام (روحی له الفدا) فرماتے ہیں کہ:۔

اَلنَّاسُ عَلٰی ثَلاثَۃِ اَصْنافٍ(۱) عَالِمٌ(۲) مُتَعَلِّمٌ(۳) وغِثاء

(۱)فَنَحْنُ الْعُلَمَاء(۲) وَشِیْعَتُنَا المتعلِّمُون(۳) وَسَائِر الناس غثآء

۔''انسانوں کی تین قسمیں ہیں(۱)عالم(۲)طالب علم(۳)اور مَلْبَہْ ۔چنانچہ ہم علماء ہیں اور ہمارے مکتب فکر کی اشاعت کرنے والے(شیعہ کا حقیقی ترجمہ) طالبانِ علم ہیں۔اور باقی ماندہ انسان ملبہ ہیں''۔(کافی باب اصناف الناس)

امام محمدؑ باقر نے فرمایا''قسم بخدا وہ شخص ہرگز عالم نہیں ہوتا جو کچھ چیزوں کا عالم اور کچھ چیزوں سے جاہل ہو۔اس کے بعد فرمایا کہ اللہ اس سے کہیں بلند و برتر اور صاحب بزرگی اور کرم ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت انسانوں پر فرض کردے جس سے اس نے اپنے آسمانوں اور زمینوں کے علوم کو پردہ میں پوشیدہ رکھا ہو۔پھر فرمایا کہ جس کی اطاعت فرض کرتا ہے اس سے آسمانوں اور زمینوں کا علم پوشیدہ نہیں رکھتا۔

(2) بالغ، نیک، عقل وفہم درجہ کمال پر ہو:۔

انسانی عقل وفہم مکمل نہیں ہوتی اور مغالطات سے دوچار ہوتی رہتی ہے سوائے انبیاء رسل وآئمہ معصومین علیہم السلام کی عقل کے جو کہ مکمل اور مغالطات سے پاک ہوتی ہے قارئین جانتے ہیں کہ دنیا میں دیوانوں اور پاگلوں کے علاوہ ہر انسان صاحب عقل ہے۔اور صاحب عقل ہونے ہی کیوجہ سے اس پر دین کے احکام کی تعمیل واجب ہوتی ہے۔ یہ بات بدیہی ہے۔یعنی روزمرہ دیکھنے میں آتی ہے اور روز دیکھی اور آزمائی جاسکتی ہے کہ ہر شخص جو کچھ کرتا یا کہتا یا سوچتا ہے۔اس میں اپنی عقل سے کام لیتا ہے۔اور عقل سے کام لیتے رہنے کے باوجود اس سے غلط باتیں، غلط عمل اور غلط خیالات بھی سرزد ہوتے رہتے

ہیں اور عموماً یہ غلطی تب ظاہر ہوتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ جس نتیجے کو حاصل کرنے کیلئے اس کی عقل نے وہ قول یا فعل کرایا تھا، وہ نتیجہ نہیں نکلا۔ یعنی قول سے پہلے اور قول و فعل کے دوران اس کی عقل اس کے پاس موجود رہتے ہوئے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کر سکی۔ اس واقعاتی اور تجرباتی و مشہود پوزیشن سے ثابت ہوتا چلا آتا ہے کہ عقل کو مغالطہ ہوتا ہے، ہوسکتا ہے اور ہوتا رہے گا اور اس حقیقت کو قرآن کریم نے جگہ جگہ ہزاروں طریقوں سے بتایا ہے۔

(1) فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ O (29/38) (سورۃ العنکبوت)

''شیطان نے ان سب کو راہ سے روک دیا حالانکہ وہ سب بصیرت سے کام لینے والے تھے''

(2) وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا O (18/104) (سورۃ الکہف)

''اور وہ یہ سمجھتے رہے وہ بہترین کام یا صنعت یا ایجاد کر رہے ہیں''

(3) وَيَحْسَبُونَ انَّهُمْ مُّهْتَدُونَ O (7/30) (سورۃ الاعراف)

''اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ یقیناً ہدایت پر عمل پیرا ہیں''

ایسی سیکڑوں آیات خود ناظرین کے سامنے آجائیں گی جن سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ انسان عقل کی موجودگی ہی میں یا عقل ہی کے ذریعہ سے صحیح سمجھ کر غلطیاں کرتا رہا ہے۔ جب کہ معصومینؑ کی عقل کے متعلق رسوؐل پاک نے فرمایا ہے:۔'' اللہ نے کوئی نبیؑ یا رسولؐ اس وقت تک مبعوث ہی نہیں کیا جب تک اس نے اس کی عقل کو مکمل نہ کر دیا اور اس کی عقل اس کی ساری امت کی مجموعی عقول سے افضل ہوتی ہے۔ اور جو فیصلہ یا عزم نبیؐ کے نفس میں ہوتا ہے وہ یعنی نبیؐ کا ذاتی خیال بھی کوشش کرنے والوں کی کوشش سے یا مجتہدین کے اجتہاد

سے افضل ہوتا ہے۔اور کوئی بندۂ خدا اللہ کے فرائض کو پورا نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ نبیؐ سے عقل حاصل نہ کرے یا نبیؐ کی عقل سے کام نہ لے۔'' (اصول کافی۔کتاب العقل صفحہ 11)

(3) صحیح العقیدہ اور درست عمل:

مجتہدین میں سے زیادہ تر حضرات کا عقیدہ اور عمل مقلدین کو معلوم ہی نہیں جن حضرات نے اپنے عقائد تحریر فرمائے ہیں ان میں سے علامہ محمد حسین ڈھکو نجفی مجتہد صاحب کی مثال ہی کافی ہے۔توحید،قرآن رسالت مآب،آئمہ معصومین،عزاداری سے متعلق بیانات پڑھیئے اور سر دھنیئے۔رسولؐ پاک نے فرمایا کہ ''اگر تم میں سے دو گروہ درست رہے تو پوری امت ٹھیک رہے گی۔اور اگر وہ دونوں گروہ برسر فساد آ گئے تو پوری امت فساد میں مبتلا ہو جائے گی۔ پوچھا گیا کہ حضورؐ وہ دونوں گروہ کون کون ہیں؟۔فرمایا کہ فقہاء اور امراء۔

(4,5,6) دیانت وامانت،عدل وانصاف سے متصف،دنیاوی قباحتوں سے مبرا:

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے (نہج البلاغہ خطبہ نمبر 32) کہ انسان چار اقسام پر منقسم ہیں اس خطبہ میں انسانوں کو عملی حیثیت سے دو حصوں میں تقسیم کر کے یعنی ایک وہ گروہ جو ہمیشہ فساد پذیر رہتا ہے اور دوسرا وہ جو مفسدہ پردازوں کے عمل درآمد سے مشکلات میں مبتلا رہتا چلا جاتا ہے پھر مفسدہ پردازوں کی تین قسمیں کی ہیں

کامیاب وبے باک مفسدہ پرداز:

ان میں سے ایک گروہ تمام متعلقہ اسلحہ سے مسلح،تمام ضروری سامان سے لَیس ہو کر اپنے تمام معاونین کی پشت پناہی کیساتھ اپنے دین وقوانین کو نظر انداز کر کے منبروں کی بلندیوں اور قیادت کی اسٹیجوں سے ہمہ تن لوٹ مار میں مصروف ہے۔

کامیاب ومتدیّن مفسدہ پرداز:

دوسرا گروہ وہ ہے جو: ’’دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے آخرۃ سنور سکے بلکہ اُس نے آخرت سنوارنے والے تمام کاموں کو حصول دنیا کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ اس غرض کیلئے ان لوگوں نے خود کو وقار وطمانیت کے لبادوں میں لپیٹ دیا ہے۔ آہستہ خرامی، نرم روش، فروتنی ومتواضع صورت بنا کر، لباس سمیٹے ہوئے، دامن سنبھالے گزرتے ہیں۔ وضع قطع ایسی بنالی ہے کہ دیکھنے والے امانتدار خیال کریں ثقہ اور معتبر سمجھیں، صبر وقناعت اور زہد وتقویٰ کا مجسمہ بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ امانت ودیانت وغیرہ سے انکا کبھی تعلق نہیں رہا یہ جماعت اللہ کی پردہ پوشیوں کی آڑ میں گناہ پر کاربند ہے‘‘۔

ناکام فتنہ پرداز:

تیسرا گروہ وہ ہے۔ ’’مفسدہ پردازوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو فتنہ وفساد سے صرف اس لئے رُکا رہتا ہے کہ ان کی شخصیت حقیر ہے۔ ان کے پاس اثر انداز ہونے والا کوئی منصوبہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اُنہیں ضروری وسائل حاصل ہیں۔ حصول مملکت کے عزائم مگر اسباب کا منقطع ہو جانا اُن کے گھروں میں بیٹھ رہنے کی وجہ ہے۔ اُنہوں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے‘‘۔

اس تقسیم اور واضح تفصیلات کی روشنی میں عوام کیسے معلوم کرے کہ فلاں عالم یا مجتہد دیانت وامانت میں کامل درجہ رکھتا ہے۔ عادل بھی ہے منصف بھی ہے اور دنیا کا طالب وفاسق نہیں اور رشوت بھی نہیں لیتا؟

(7) برائیوں سے پاک اور بری الذمہ:

کسی بھی شخص کیلئے نہ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ برائیوں سے پاک اور بری الذمہ ہے سوائے معصومین علیہم السلام کے۔ یہ اوصاف یقیناً معصومؑ ہستیوں کیلئے ہی مختص ہیں مذہبِ شیعہ میں اسی بنیادی وجہ سے صرف معصومینؑ ہی واجب الاطاعت واجب الاطباع ہیں۔ اسی لئے اس مذہب نے پہلی تینوں خلفاء کو واجب الاطاعت نہیں سمجھا۔ عوام کی راہنمائی کی جائے کہ برائیوں سے پاک اور بری الذمہ یعنی معصوم عالم / مجتہد کہاں سے ڈھونڈے؟

(8) آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے ان کے مقرر کئے جانے کا واضح حکم

علامہ حائری صاحب ''رسالۃ التنقید فی اثبات الاجتہاد'' میں فرماتے ہیں:

۔''جب یہ بات واضح ہوگئی۔ تو یہ بھی سمجھ لیں کہ اجتہاد کا عہدہ اور جماعت کی امامت کرنا اور اسی طرح کے امت کی راہنمائی کے دوسرے کام کرنا خلافت اصلیہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی نیابت کے ماتحت ہے۔ لہٰذا اس قسم کی نیابت اور اجتہاد کے عہدے پر بھی کوئی شخص مقرر نہیں ہوسکتا خواہ وہ علم و دیانت و عدالت میں درجہ کمال ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ سوائے اس کے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے اسکے مقرر کئے جانیکا واضح حکم موجود ہو۔ اور اس زیرِ نظر اجتہادی قیادت میں اس واضح اور خاص نصّ کا مطلب کسی مسلّم الثبوت مجتہد کی اجازت لیا جائے گا''۔ (یعنی ایک ثابت شدہ مجتہد کا حکم آئمہ معصومینؑ کا واضح حکم سمجھا جائے گا) پہلے والے مجتہدین کی اجازت بعد والے مجتہدین کیلئے ہمارے زمانے سے لے کر جناب شیخ ابو جعفر طوسی تک اور طوسی کیلئے شیخ مفید کی اجازت اور شیخ مفید

کیلئے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی اجازت جو آخری زمانہ کے امامؑ ہیں۔ اور ان کے بعد ابن بابویہ کیلئے ان کے اپنے والد کی اجازت اور قم کے بزرگوں کی اجازت۔ اور قم کے بزرگوں کیلئے حضرت حجۃ علیہ السلام کی اجازت اور جناب حسن عسکریؑ اور ان کے والد علیہما السلام کی طرف سے فتویٰ دینے اور احادیث بیان کرنے کی اجازت حاصل ہوئی تھی لہٰذا ہر وہ مجتہد جو صاحب اجازہ تھا حقیقتاً مذکورہ واسطوں کے ذریعہ سے باضابطہ آئمہ علیہم السلام کا خاص حکم اور اجازت سمجھی جائے گی۔ بلا اجازت احقاقِ اجتہاد میں جھگڑا ہے۔''

(رسالۃ التنقید فی اثبات الاجتہاد)

آئمہ علیہم السلام کی نیابت کے لئے کیسا حکم درکار ہے؟ علامہ کے بیان کردہ حقائق:

ان تمام مذکورہ واسطوں سے نیابت اور مقرر کئے جانے کا حکم شیخ مفید اور قم کے بزرگوں تک پہنچتا ہے ان حضرات کو حضرت امام مہدی علیہ السلام اور جناب حسن عسکری علیہ السلام اور ان کے والد علیہ السلام کی طرف سے نیابت اجتہاد اور فتویٰ دینے کی اجازت حاصل ہوئی تھی۔''

اس پورے بیان میں علامہ صاحب نے کہیں بھی واضح حکم کی طرف راہنمائی نہیں فرمائی۔ بلکہ ''خاص حکم اور اجازت سمجھی جائے گی'' تحریر فرما کر تمام معاملہ مشکوک کر دیا ہے۔ قوم کے قلب و ذہن میں پیدا ہونے والے اس شدید ہیجان کو دور کرنے کیلئے ان علماء حضرات کی منصبی ذمہ داری ہے کہ وہ حکم حضرت مہدی آخر الزمانؑ و حضرات عسکریینؑ کا وہ حکم پیش کریں جس میں مجتہدین کو نیابت، اجتہاد یعنی اجتہادی فتاویٰ دینے کی واضح اجازت دی ہو ظاہر ہے کہ مجتہدین حضرات کی اطاعت بقول خود واجب ہے لہٰذا آئمہ معصومین علیہم السلام کے حکم میں یہ جملہ ہونا چاہئے کہ ''مجتہد ہمارے نائب ہیں اور ان کی اطاعت واجب ہے''۔ پھر آئمہؑ اور مجتہدین نیز شیعوں کے نزدیک واجب الاطاعت وہی

ہوتا ہے جو خاطی نہ ہو ورنہ غلط حکم کی اطاعت بھی واجب ہو جائیگی جو عقلاً و شرعاً باطل ہے۔ لہٰذا حکم میں یہ جملہ بھی لازم ہے کہ ''مجتہدین معصوم ہیں لہٰذا وہ جو بھی حکم دیں واجب الاطاعت ہیں'' پھر مجتہدین اپنے احکام کی بنیاد میں اجماع اور عقل کو بھی شامل کرتے ہیں لہٰذا حکم میں یہ جملہ بھی ہونا چاہیئے کہ ''قرآن و سنت و حدیث کے علاوہ اجماع اور عقل سے دیا ہوا حکم بھی واجب الاطاعت ہے'' یا یہ جملہ کہ ''مجتہدین کا اجتہادی حکم بھی واجب الاطاعت ہے''۔ پھر مجتہدین اپنی عقل کو درجہ کمال پر کہتے ہیں لہٰذا حکم میں اس دعویٰ کی تصدیق بھی لازم ہے۔

نہایت افسوس اور اہمیت کی بات یہ ہے کہ مجتہد جامع الشرائط کیلئے یہ شرط موجود نہیں ہے کہ مجتہد قرآن و حدیث میں سے حکم یا فتویٰ دے گا۔ اور قرآن اور رسولؐ کی حدیث کے خلاف اجتہاد نہ کرے گا۔

جاہل عوام کیسے پتہ لگائیں کہ فلاں شخص مجتہد ہے؟۔

جناب علامہ السید علی مجتہد ابن مجتہد ابولقاسم صاحب اس طرح سوال قائم کرتے ہیں کہ:۔

''عوام جو جانوروں اور چوپاؤں کیطرح ہوتے ہیں۔ کس طرح اجتہاد کا اور عقائد واعمال وعدالت وامانت ودیانت کا پتہ لگائیں اور کس طرح یقین کریں کہ فلاں مجتہد برائی سے پاک اور دور ہے۔ اور ان پر کس طرح یہ ثابت ہو کہ وہ فتویٰ دینے اور احکام تیار کرنے اور نماز کی جماعت کرانے کا حق دار اور واجب الاتباع اور مرجع خلائق ہے۔ جب کہ عوام زمین کے کیڑوں مکوڑوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اور قوت عقل وادراک نہیں رکھتے ہیں''۔ (رسالہ التنقید)

علامہ صاحب اس الجھن کا حل پیش کرنے کے لئے رقم طراز ہیں کہ:۔

جواب۔ ’’چند وجوہ کے ساتھ عقیدہ، دیانت وعدالت واجتہاد مجتہد کی صحت دریافت اور ثابت ہوتی ہے۔ پہلے یوں کہ اہل خبرہ کے عادل ترین لوگ بلا اختلاف متفقہ گواہی دیں۔ دوسرے اہل خبرہ کی معاشرت پر تنقید کرنے سے۔ تیسرے یہ کہ مجتہد کا آزمائش اور امتحان کر کے معلوم کیا جائے۔ چوتھے یوں کہ شریعت کا مسلمہ حاکم اپنی تقریر یا تحریر سے فیصلہ کر دے۔ پانچویں یہ کہ آئمہ اطہار کی طرف سے عام اجازت کے تحت کہ مجتہدین زمانہ کی طرف رجوع کیا کرو جو واجب الاتباع ہوتے ہیں‘‘۔ (رسالۃ التنقید)

مسئلہ حل ہونے کے بجائے اور زیادہ الجھ گیا مثلاً مجتہد کے عقل کے مکمل ہونے کا امتحان کیسے لیا جائے گا؟ عصمت اور ہر برائی سے پاک ہونے کی پہچان کا تذکرہ نہیں۔ مجتہد کی قابلیت جانچنے کے لئے کم از کم اسے مجتہد بننا پڑے گا۔ اس لئے کہ ایک میٹریکولیٹ کو جانچنے کے لئے میٹرک پاس ہی کی ضرورت ہے جاہل تو ایک کروڑ ہوں تب بھی یہ پتہ نہ لگا سکیں گے کہ فلاں شخص واقعی میٹرک، ایم اے یا مجتہد ہے۔ عوام الناس جو چوپایوں کی طرح اور کیڑے مکوڑے اور عقل سے عاری وخالی ہوتے ہیں اور جنہوں نے تقلید کرنا ہے ان کے لئے تو اور بھی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں یعنی پہلے وہ یہ پتہ لگائیں کہ اہل خبرہ کون کون ہیں پھر یہ معلوم کریں کہ اہل خبرہ واقعی مجتہد کی شخصیت سے واقف ہیں؟ پھر یہ تحقیق کریں کہ آیا وہ سب آپس میں متفق ہیں یا نہیں؟ پھر اہل خبرہ کے نقاد کا بھی پتہ لگانا ہو گا۔ شریعت کے مسلمہ حاکم (کیونکہ حاکمِ شریعت بھی مجتہد ہی ہو گا) کیلئے بھی مندرجہ بالا پورا پروگرام دہرانا ہو گا کہ معلوم ہو کہ وہ حاکم شرع ہونے کی قابلیت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور جب مجتہد ہی کا پتہ

لگانا ان کیلئے ناممکن ہے تو یقیناً حاکم شریعت کو جانچنا بھی ناممکن ہوگا۔ علامہ صاحب نے قرآن کے خلاف نوع انسان کو جاہل چوپائے حشرات الارض کے درجے پر پہنچا دیا ہے تو ان پر سے تمام مذہبی پابندیاں بھی ختم ہوگئیں۔ بقول مجتہد عقل وفہم کے بعد ہی دین کے احکام کی اطاعت واجب ہوتی ہے لہٰذا ان سے مجتہد کی تقلید واطاعت ویسے ہی ساقط ہوگئی۔ علامہ صاحب نے پوری نوع انسان کی توہین کی ہے۔ اور انہیں حشرات الارض بنا کر خود کامل اور عاقل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ خدا نے تو فرمایا ہے:۔

''ہم نے یقیناً تمام بنی آدمؑ کو مکرم ومعزز بنایا اور انہیں بحر وبر پر اٹھائے اور لئے پھرے انہیں طیبات فراہم کیں اور اپنی مخلوق کی کثرت پر فضیلت عطا کی'' (بنی اسرائیل 17/70)

تمام بنی نوع انسان اس تذلیل وتوہین پر علامہ کے خلاف سراپا احتجاج ہے۔

''نظریہ اجتہاد'' کے حق میں اور اختلاف میں دلائل

اس سے پہلے کہ نظریہ اجتہاد کے حق واختلاف میں قرآن وحدیث سے دلائل پیش کئے جائیں قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اجتہاد وتقلید کے اصطلاحی تعریف Definition کو دوبارہ پڑھ لیں اور ذہن نشین کر لیں۔ اس تعارف کے بعد غور وفکر کرنے والے دماغوں میں جو حاصل ونچوڑ سوالات (دعاوی ومقدمات) بن کر سامنے آتے ہیں درج ذیل ہیں۔

1۔ کیا بعض احکام، معاملات کے فیصلے، بعض حالات واشیاء کی تفصیل قرآن، حدیث اور سنت میں موجود نہ ہے؟

2۔ اگر کوئی درپیش مسئلہ کا حل ہمیں قرآن وحدیث اور سنت میں نہیں ملتا یعنی حکم واقعی

تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو کیا اس مسئلہ کو باقی ماندہ دلائل اربعہ یعنی اجماع اور دلائل عقلی کے ذریعہ سے استنباط یعنی اخذ کیا جاسکتا ہے؟

3۔ کیا وہ اخذ کیا ہوا حل یعنی استنباطی حل (علم یقین سے نہیں بلکہ ظنی علم سے حاصل کردہ حل) یعنی اجتہادی فتویٰ حکم واقعی یعنی اللہ ورسولؐ وامامؑ کے حکم کا بدل ہوگا؟

4۔ کیا عوام الناس پر لازم ہے کہ دین کے معاملے میں مجتہدین کی تقلید کریں اور شرع کے تمام فروعی مسائل کو بلا استدلال معلوم کریں۔ اور بلا چوں و چرا عمل کریں اور مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم سمجھیں؟ خلاف ورزی قابل سزا جرم ہوگی اور نیک اعمال (نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ) بھی اللہ کے یہاں ناقابل قبول ہونگے؟

5۔ کیا اجتہادی غلطی پر بھی مفتی اور مستفتی دونوں کو ثواب ملے گا؟

مقدمات کا ماحاصل:

''غیبت کے زمانہ میں بلا امام زمانہؑ کی مدد اور توسط، بلا دلیل و ماخذ بلا آیت و حدیث مجتہدین کو عام اجازت ملی ہو کہ تم اجتہاد و استنباط کرکے جو کچھ احکامات تمہیں قرآن وحدیث میں نہ ملیں وہ احکام نکال کرامت کو دیا کرو اور ان احکام کی تعمیل واجب ہے اور وہ اللہ ورسولؐ کے احکام ہوں گے۔ جو ان پر عمل نہ کرے گا جہنمی ہوگا۔ اور مجتہد غلط حکم بھی دیگا تو بھی مفتی اور مستفتی دونوں کو ثواب ہوگا''۔

قارئین ایک بار پھر گزارش ہے کہ درج بالا مقدمات اور مقدمات کا حاصل بار بار پڑھیں ذہن نشین واز بر کریں تاکہ دلائل وحقائق سمجھنے اور فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ درج بالا دعاوی قرآن وحدیث سے ثابت ہوتے ہیں یا نہیں۔ ان دعاوی

کے ثبوت اور بحث پر سب سے زیادہ ریکارڈ ''رسالۃ التنقید'' میں سے ملا ہے۔ جو کہ **تین قرآنی آیات اور گیارہ احادیث اور ان پر بحث پر مشتمل ہے۔ جائزہ کیلئے قارئین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔**

السید علامہ علی الحائری مجتہد رقمطراز ہیں کہ:

''آیت نمبر 1۔ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ O

ترجمہ: ''اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو''

جواز: السید علامہ علی الحائری مجتہد:۔

۔''رہ گیا قرآن۔ پس قرآن کی پہلی آیت یہ ہے۔ ''اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے سوال کرو''۔ اس آیت سے چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول سوال کرو حکم کے انداز میں کہا گیا ہے اصول فقہ میں حکم دینے والے الفاظ سے مخاطب کرنے کے لئے یہ طے شدہ بات ہے۔ کہ یہ احکام فرض اور واجب ہوتے ہیں۔ چنانچہ سوال کرو سے پوچھنا۔ حاصل کرنا اور سوال کرنا اُن تمام لوگوں پر قیامت تک کے لئے واجب ہو گیا جن پر دین واجب ہے۔ دوسری بات یہ کہ اُن تمام لوگوں پر جن پر دین واجب ہے اس لئے قیامت تک سوال کرنا واجب ہوا ہے کہ وہ لوگ نادان ہیں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ اگر تم نہیں جانتے۔ تیسری چیز یہ ثابت ہوئی کہ تقلید صرف زندہ اہل ذکر کی کی جائے گی۔ چونکہ مُردہ سوال اور جواب کی قابلیت ہی نہیں رکھتا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجماع اور حدیث سے نیز قرآن سے ثابت ہے کہ ذکر درحقیقت قرآن کا ہی نام ہے جیسا کہ آیت ہے۔ کہ ہم نے تمہاری طرف ذکر

رسولؐ بھیجا۔اس حساب سے اہل ذکر سے مراد علمائے اہل قرآن ہیں حقیقت یہ ہے کہ اہل قرآن اور عالم قرآن کا استعمال صرف اُن لوگوں کے لئے ہوسکتا ہے جو قرآن کے علم میں راسخ ہوں، ماہر ہوں، تجربہ کار ہوں، اور قرآن کے علوم کے سمندر ہوں ۔ اس کی آیتوں کی اقسام پر مطلع ہوں۔ جیسے محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ عام و خاص و مبہم و مجمل و مفصل ہیں ۔ پھر اس کی تنزیل سے تفسیر سے اور تاویل اور ترتیل پر مطلع ہوں۔اور اُس کے الفاظ وغیرہ کی تفہیم پر تفصیل کی حقیقت سے اور عملی طور پر اپنی ذاتی قوت سے آگاہ ہوں۔ ہر وہ شخص جو قرآن کے ظاہری الفاظ کا ترجمہ کرسکتا ہو وہ قرآن کا عالم یا اہل ذکر نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا اہل قرآن کی صرف دو قسمیں ہیں۔تیسرا درجہ کوئی نہیں ہے۔

پہلا درجہ۔ اہلبیتؑ نبوۃ وعصمت کے علماء کو حاصل ہے جو قرآن کی تنزیل و تفسیر و تاویل و ترتیل وغیرہ کا کلّی و جزئی اور قطعی علم رکھتے ہیں اور اس حقیقت پر ساری امت مجموعی حیثیت سے متفق ہے۔کسی ایک شخص کو بھی اس کے خلاف کہنے اور انکار کرنے کی مجال نہیں ہے۔ اس لئے کہ متواتر اور کھلے کھلے فیصلے تمام حدیث کی کتابوں میں تمام اہل قبلہ نے درج کئے ہیں۔اور یہ مانا ہے کہ اُن حضراتؑ کے پاس قرآن کے تمام علوم تفصیلی اور قطعی طور پر موجود تھے۔خود بھی ان حضراتؑ نے بار بار اصرار و تکرار کے ساتھ منبر کے اوپر سے مجمع عام اور ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں اعلان کیا ہے۔کیوں کہ قرآن لفظی طور پر۔ ناسخ و منسوخ اور معنوی حیثیت سے نیز تنزیل و تفسیر و تاویل و ترتیل سمیت ان کے گھر میں نازل ہوا تھا۔

قرآن کے تمام علوم لفظ بہ لفظ بلا واسطہ محمد مصطفیٰؐ نے خاص طور پر اُنؑ کو عطا کئے تھے لہٰذا آئمہؑ قرآن کے ساتھی اور ثانی قرآن ہیں حدیث ثقلین اس پر گواہ ہے۔ پس پہلے نمبر پر اہل بیتؑ نبوتؐ اہل ذکر ہیں اور وہی بالاتفاق تمام صحابہ وامت کے لئے واجب الرجوع اور اطاعت ہیں۔ ہر حال میں ساری امت کو ان کی طرف رجوع کرنا۔ دریافت کرنا اور اُن کی اتباع کرنا واجب ہے ہر زمانہ والوں پر۔ اُن میں کا دوسرا گروہ اُن کے بعد کے علماء ہیں۔ اور علما کے بھی دو (2) درجے ہیں۔ پہلا درجہ بعض صحابہ میں سے عادل علماء کا ہے۔ جیسے ابن عباس وابن مسعود۔ جو اہل قرآن اور مفسر قرآن لوگ تھے۔ اور واجب الاتباع تھے اور جو کچھ علمِ قرآن اُن لوگوں کو رسولؐ اللہ سے ملا، یا انہوں نے خود قرآن سے اخذ کیا اس میں سے کچھ علم قطعی ہے۔ اور کچھ حصہ علم ظنّی ہے۔

دوسرا درجہ امت کے عام علماء کا ہے۔ جس میں تابعین سے لے کر اس وقت تک کے تمام علماء شامل ہیں۔ اِن لوگوں نے اگر قرآن وحدیث سے علم اخذ کیا تھا۔ تو وہ علم ظنّی تھا۔ البتہ تابعین میں رائے اور قیاس بھی جاری ہوگیا تھا۔ اس لئے تابعین کا معاملہ اطمینان بخش نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے حق اور باطل کو گڈمڈ کر دیا تھا۔ علمائے امامیہ کے پاس جو کچھ علمِ قرآن آئمہ اطہارؑ سے پہنچا وہ بھی علم ظنّی ہے۔

تنبیہ: جب یہ طے پا گیا تو اس آیت کی رو سے اجتہاد اور تقلید بھی واضح ترین الفاظ میں کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ یعنی تقلید کا منشا کسی عادل مجتہد سے احکام دین معلوم کر کے عمل کرنا مذکورہ انداز میں ثابت ہوگیا۔ چونکہ سوال وجواب مُردہ سے نہیں

ہوسکتا۔اس لئے لازم ہے کہ ایک امین وعادل مجتہد زِندہ کی تقلید کی جائے جو شکر خدا کہ قرآن سے ثابت ہوگئی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ چلو ہم نے زندہ عالم کی تقلید تو مان لی۔مگر اس آیت سے عدالت کہاں ثابت ہوئی ؟اس کا جواب دوطرح سے ہے۔ اول یہ کہ آیت میں کہا گیا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا ہے۔اس سے اصلی امامت کی عصمت اور فروعی امامت کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔دوسرے۔چونکہ قرآن میں احکام اور ممانعتیں ہیں۔گناہوں اور ثواب کا تذکرہ ہے۔اچھے لوگوں کا بگڑنا اور فاسق وفاجر وگمراہ اور گناہ گاروں کیلئے پکڑ اور عذاب تفصیل سے موجود ہے۔پس وہ شخص جو اہل قرآن اور قرآن کی کلّیات جزئیات کا عالم ہو۔یہ تقاضہ ہے کہ اہل قرآن تمام ممنوعہ چیزوں سے منزہ ہو اور تمام احکام اور اچھائیوں کا فاعل اور عامل ہو۔اسلئے کہ لفظ ''اہل'' عالم الغیوب اور عالم القلوب کی زبان سے اس کیلئے صادق آنا چاہئے۔لہٰذا جو بھی اس صفت کا حامل ہوگا لازم ہے کہ وہ عادل ہو۔''

<u>جواز پر ہمارا تبصرہ:</u> قارئین نے جواز غور سے پڑھ لیا اس زیر بحث آیت میں نہ کہیں لفظ مجتہد و اجتہاد آیا نہ کہیں مجتہد کی تقلید کا ذکر ہوا۔تو پھر جواز وجوب کی امید کیسے کی جائے علامہ صاحب نے اس آیت سے جو کچھ اخذ کیا وہ صرف اس قدر ہے۔

1) تمام انسانی معاملات،ضروریات واحتیاجات میں سے جس چیز کا علم نہ ہو وہ اہل الذکر آئمہ اہل بیتؑ سے سوال یا دریافت کرلیا کرو اور انؑ حضرات کے احکام کی تعمیل قیامت تک واجب ہوگئی ہے۔

اس آیت میں کہیں بھی اہل الذکر کی دو قسمیں بیان نہیں ہوئی ہیں نہ کہیں شبہ کی گنجائش ہے

کہ جن اہل الذکر سے سوال کرنے کیلئے کہا گیا ہے وہ کبھی کسی حالت میں موجود نہ رہیں گے اور سوال کرنے والے موجود رہ جائیں گے۔ بلکہ علامہ صاحب نے خود مان لیا ہے کہ اہل ذکر قرآن کے ساتھی ہیں۔اور حدیث ثقلین کے ذکر سے یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ قرآن اور اہل ذکر ساتھ ساتھ رہیں گے اور ایک لمحہ کیلئے بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ایسی صورت میں تا قیامِ قیامت سوال کرنے والوں کو جواب سے محرومی نہ ہوگی۔

2) اہل ذکرؑ کے علاوہ ہر انسان اور ہر زمانہ کا آدمی سوال کرنے والوں میں داخل ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ کل انسان دو قسم کے ہیں ایک وہ جو سوال کرنے کی احتیاج سے کبھی خالی نہ ہوں گے اور ایک وہ جو کسی سوال کا حقیقی جواب دینے سے کبھی عاجز نہ ہوں گے۔

مجتہد حضرات میں سے کسی نے بھی کہیں ہمہ دانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ علامہ صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ تابعین سے لے کر اس وقت کے تمام علماء کا علم ظنی تھا اور ساتھ ہی قرآن وحدیث سے جو علم ان کو حاصل ہوتا ہے اسے بھی ظنی کہا مگر قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ:۔

''ظن وگمان سے حق کا شائبہ تک بھی حاصل نہیں ہوتا'' (10/36)

یعنی علامہ کے مطابق قرآن وحدیث کو بھی حق سے کوئی تعلق نہیں ہے (معاذ اللہ)

3) علامہ صاحب نے آئمہ معصومین علیھم السلام کا مقام بلند بیان کیا۔لیکن انؑ کے عصمت کی آڑ میں مجتہدین کو بھی معصوم بنانے کی کوشش کی۔

علامہ صاحب کی بے سروپا اور غلط باتیں

علامہ صاحب نے قرآن کی آیت اور آئمہ علیہم السلام کی آڑ میں جو کچھ مغالطہ دیا ہے اور اپنے مقلدین سے جو غلط باتیں منوانے کی کوشش کی ہے درج ذیل ہیں۔

(1) سوال کرنے کو تقلید فرض کر لیا حالانکہ ہر سوال کے جواب پر عمل کرنا لازم نہیں ہے۔ مثلاً ہم نے زمین کی شکل پر سوال کیا۔ جواب میں بتایا گیا کہ زمین گول ہے۔ پس ہمیں اطلاع ہوگئی اب یہ ضروری نہیں کہ تقلید کر کے ہم خود گول مول ہو جائیں۔ لہٰذا سوال واجب ہونے اور نہ ہونے سے تقلید کا کوئی تعلق نہیں ہے

(2) اصول فقہ میں کیا طے کیا گیا؟؟ بات قرآن کے احکام کی ہے اصول فقہ ہوں یا نہ ہوں قرآن کے تمام احکام کی اطاعت واجب ہے۔

(3) علامہ صاحب نے جواب میں ایک آیت ''**ارسلنا الیکم ذکرا رسول**'' تحریر کی ہے قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جو آیت قرآن میں ہے وہ یوں ہے ''**قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا ○ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ**'' (65/10-11)

ترجمہ: یقیناً اتارا اللہ نے تمہاری طرف وہ ذکر جو رسولؐ ہے۔ جو تلاوت کرتا ہے تم پر اللہ کی آیات'' قرآن کا بھی ایک نام ذکر ہے مگر جس آیت کو اس بحث کے لئے اختیار کیا ہے وہاں قرآن کو ذکر نہیں کہا گیا بلکہ آنحضرتؐ کو ذکر فرمایا ہے۔

(4) اہل ذکرؐ یا اہل بیتؑ کی اس پوزیشن پر جو علامہ صاحب نے لکھی ہے '' <u>ساری اُمت متفق ہے اور یہ کہ کسی کی مجال نہیں کہ کوئی انکار کر سکے</u>'' پہلے نمبر پر تو خود شیعوں کے مجتہدین ہی اس پوزیشن پر متفق نہیں ہیں۔ علاوہ ان کے سینکڑوں علماء اہل خلاف نے بڑی بڑی کتابوں میں اس پوزیشن کی مخالفت اور اس کا کھل کر انکار بھی کیا ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے امامت کا مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ'' **لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ** ''(2/124)'' امامت تیری ذریت میں سے کسی ظالم کو نہیں ملے گی'' اس آیت

سے اگر اہلبیتؑ کی عصمت ثابت ہوتی ہے اور مجتہدین بھی کسی طرح امامت میں شریک ہیں تو انہیں بھی معصوم ماننا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ سب بقلم خود خاطی مانتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا علامہ مجتہد صاحب نے آئمہ اہل بیتؑ کی آڑ میں مجتہدین کی عدالت کو آیت کے خلاف لکھا۔ آیت تو اپنے اندر دوہری نفی رکھتی ہے۔ پہلی نفی یہ ہے۔ کہ امامت ذُرّیت ابراہیم علیہ السلام کے باہر کسی اور ذُریت، نسل یا قوم کو نہ ملے گی۔ دوسری نفی یہ ہے، کہ جو سچ مچ اللہ و رسولؐ کے نزدیک ذُریت ابراہیمؑ سے ہونگے اُن میں بھی ہر کسی کو یہ امامت نہ ملے گی۔ بلکہ صرف اُن لوگوں کو ملے گی جو کسی حال میں کبھی بھی کوئی غلط عمل یا غلط خیال نہ کریں۔ یہ ظلم اور ظالم کے حقیقی معنی ہیں ۔ لہٰذا اس آیت سے امامؑ اور امامت محض معصومین علیہم السلام میں محصور ہے۔

(6) علامہ صاحب نے یہ نہیں بتایا نہ کوئی آیت لکھی کہ فرعی یا فروعی امامت کیا ہوتی ہے؟ اس کا جواز کہاں ہے؟

(7) صحابہ ابن مسعود اور ابن عباس اور ان ایسے دوسرے صحابہ کے پاس علم حقیقی کا دبی زبان میں اقرار کیا ہے اور ان لوگوں کو واجب الاطاعت بتایا ہے۔ اصول کافی میں ان حضرات کا صحیح حال موجود ہے۔ نہج البلاغہ (خط نمبر 20) بھی ان کا پردہ فاش کرتی ہے۔ مذہب شیعہ میں اہل بیتؑ کے سوا بعد رسولؐ کوئی شخص واجب الاطاعت نہیں۔

(8) علامہ صاحب کی پوری بحث میں کہیں تقلید کا لفظ نہیں آیا نہ اس پر بحث کی نہ کوئی آیت دکھائی اور جو کچھ کہا وہ قیاسات کے ماتحت کہا یعنی سوال کرنے کا حکم قیامت تک کے لوگوں پر واجب ہے۔ لہٰذا تقلید واجب ہے۔ آئمہ اہلبیتؑ کی اطاعت واجب ہے لہٰذا مجتہد

کی تقلید واجب ہے اور مجتہد کی اطاعت بھی واجب ہے۔آئمہؑ معصومین ہیں،اُن سے غلطی ناممکن ہے۔لہٰذا مجتہدین عادل ہیں۔یہ سب باتیں ایسی ہی ہیں۔جیسے کوئی کہے کہ انسان قوتِ کلام رکھتا ہے۔لہٰذا میں مجتہد ہوں۔گدھے گھوڑوں سے چھوٹے ہوتے ہیں اسلئے تقلید واجب ہے۔چاول کا رنگ سفید ہوتا ہے۔لہٰذا زمین گول ہے۔اور آخری بات یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کا انتقال ہو گیا لہٰذا میں نبی ہوں۔اور بڑے رعب داب سے لکھ دیا کہ:

''پس بموجب ایں آیت اجتہاد وتقلید باوضع عبارت واضح شد''

علامہ السید علی الحائری مجتہد کی پیش کردہ دوسری آیت بطور دلیل:

''آیت(2)اعلمیت،استنباط

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَه مِنْهُمْ

جواز:السید علی الحائری مجتہد:

1۔کیا کسی مجتہد کو باقی تمام مجتہدین سے زیادہ عالم یا اَعْلَم قرار دیا جاسکتا ہے؟

(2)اعلم اور اعلمیت مشہور کی ہوئی بات تو ہے۔لیکن اس کا مکمل ثبوت دینا مشکل ہے

(3)دوسری آیت یہ ہے کہ اگر اُن لوگوں نے اُس امر کو اللہ اور اولی الامر کیطرف رد کر دیا ہوتا تو اُن لوگوں میں سے جو لوگ استنباط کر لیتے ہیں۔اللہ اور اولی الامر کی طرف سے صحیح علم ہو جاتا(4/83)۔(4)اس آیت سے چند چیزیں ثابت ہیں۔

(5)پہلی یہ کہ رد کرنا رجوع کرنے اور کسی کو کوئی چیز بھیجنے کے ہیں۔(6)چنانچہ لغت مصباح منیر میں مثال ہے کہ میں نے اس کی طرف اس کا جواب رد کر دیا یعنی میں رجوع ہوا اور اُسکا جواب اسے بھیج دیا(7)دوسری چیز یہ کہ اولی الامر اپنے تعلق

میں لفظ اِمرۃ اور اِمارۃ سے متعلق ہے ۔الف کے نیچے زیروں کیساتھ اسکے معنی ولایت کے ہیں۔ لہٰذا وہ امیر کے معنی ہوں گے ۔ اور امیر کی جمع امراء ہے (8)اور لُغت میں اولی الامر کے معنی ریاست کے مالک اور حاکم کے ہوتے ہیں۔(9)اور مناظرہ کرنیوالوں کے نزدیک خِلافت واِمارت جنکے پہلے حروف کے نیچے زیر ہوں، کے معنی اللہ کی وہ حکومت ہے۔ جو عوام پر براہ راست اللہ کے قول یا کسی مخصوص حکم سے قائم ہوتی ہے۔جیسے نبیؑ کی حکمرانی یا نبیؑ کی طرف سے نبیؑ کی جگہ تمام دینی ودنیاوی معاملات میں تمام نوع انسان پر حاکم ہونا (10) مجتہد اولی الامر اُن ہی معنی میں ہوتا ہے جِن معنی میں ایک صاحبِ حکم واختیار بادشاہ ہوتا ہے۔ (11)اس لئے کہ وہ امام کی جگہ دین ودنیا میں امام کی ریاست کا حاکم ہے (12) تیسری چیز یہ کہ استنباط استفعال کے باب اور وزن پر بنا ہے۔الفاظ کی بحث میں یہ نبط ونبوطا سے ماخوذ ہے۔یعنی جوہری کے نزدیک اس کے معنی چشمہ میں سے پانی کا جوش مارنا ہیں۔ (13)استنباط یعنی کسی چیز کو جدوجہد کرکے حاصل کرنا (14) چنانچہ لغت کی کتاب مصباح اور مجمع البحرین میں ہے کہ استنباط ہی کو اجتہاد کے ذریعہ حاصل کرنا کہتے ہیں۔(15)اور عرف عام میں جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ کسی مجتہد کا کتاب اللہ اور سنت نبیؐ سے حکم خداوندی کو اجتہاد کے ذریعہ سے حاصل کرنا۔(16)جب کہ یہ واضح ہوگیا تو مقلد کا تقلید کرنا اور مجتہد کا اجتہاد کے ذریعہ علوم کا استنباط کرکے حاصل کرنا اس طرح نمایاں اور ثابت ہوگیا کہ کسی بھی شخص کو انکار کرنے کی مجال نہیں ہوسکتی۔(17)چونکہ عوام میں یہ قوت باوجود ترغیب کے بھی

نہیں ہوتی کہ وہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ اللہ سے استنباط کر کے احکام اخذ کرسکیں۔
(18) پس عوام تمام ان احکام میں جو مجہول اور انہیں معلوم نہیں اپنے امیر کی طرف رجوع کریں گے۔(19) اور اُن کا امیر و حاکم وہ مجتہد ہے جو اپنی ملائکہ صفت قدرت اور تجربہ کے باوجود اُن ہی کی نوع میں سے ہوتا ہے۔(20) تاکہ وہ مجتہد اللہ کے حکم اور اس کی منشا و مراد کو دلائل کے ذریعہ اُن ماخذوں سے استنباط کر کے انہیں بتائے اور وہ اُن احکام کی تعمیل کرتے رہیں۔تبصرہ (21) یہ آیت خاص طور پر اجتہاد اور تقلید پر عمل کرنے کے بارے میں ہے (22) کیونکہ جو لوگ رد اور رجوع کرنے والے ہیں وہ سوال کرنے اور تقلید کرنیوالے عوام ہیں۔اور استنباط یا مسائل اخذ کرنے والے زندہ موجود مجتہدین کو کہا گیا ہے (23) مجتہدین کے پاس جو علم استنباط سے حاصل ہوگا وہ علم یقینی نہیں بلکہ ظنّی ہوگا (24) اسلئے مجتہدین کبھی غلط اور خطا کار ہوں گے اور کبھی صحیح فیصلہ کرسکیں گے (25) یعنی معصوم نہ ہونے کی بناء پر بھول چوک اور خطا ان سے صادر ہوگی اور صحیح سمجھنے کے بجائے ڈگمگا جانا ان کیلئے ممکن ہوگا۔ (26) لہٰذا ان کی خطاؤں اور بھول چوک ڈگمگانے والے احکام میں آئمہؑ معصومین شامل نہیں ہیں۔ (27) اور یہ بھی کہ آئمہ علیہم السلام کے علوم اسلئے قطعی اور یقینی ہیں کہ وہ صاحب وحی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست بلاواسطہ حاصل ہوئے ہیں۔اور وہ علوم کلّی طور پر و جزئی حیثیت سے ایک ایسے مکمل ہیں کہ اب آئمہ اہل بیتؑ کو کسی جدید استنباط اور اجتہاد کی احتیاج نہیں رہی ہے
(28) اور اگر ہم یہ مان لیں کہ آئمہ علیہ السلام نے بعض احکام استنباط کر کے اجتہاد

کے ذریعہ سے دیئے ہیں۔ (29) اور چونکہ یہ طے شدہ بات ہے۔ کہ استنباط کے ذریعہ سے جو مسائل اخذ کئے جاتے ہیں وہ علم ظنی کہلائیں گے۔ (30) لیکن چونکہ آئمہ علیہم السلام کی عصمت ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اس لئے اُنکے اخذ کردہ احکام خواہ ظنّی ہی کیوں نہ ہوں ان میں خلل، غلطی، ڈگمگا جانا وغیرہ ذرہ برابر ممکن نہیں ہے۔ اُن کے معاملہ میں غلطی کا دخل تا قیامت ممکن نہیں ہے۔ پھر اللہ زیادہ جانتا ہے۔

جواز پر ہمارا تبصرہ: علامہ صاحب نے جس قدر بحث لغت، متکلمین اور عرف عام کی ذیل میں کی ہے وہ سو فیصد صحیح ہے۔ لیکن علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ مندرجہ بالا آیت کے مضمون سے اجتہاد اور مجتہد کی تقلید اور بادشاہت یا نبی اور امام کی جانشینی اور عوام پر حکومت ثابت ہے۔ یہ ہرگز آیت کے اندر مذکور ہے نہ آیت سے ثابت ہے۔ نہ آیت میں کہیں حکومت الٰہیہ کی تفصیل، اجمال یا ذکر ہے۔ نہ اس کے قائم ہونے کا تذکرہ ہے۔ نہ ہی یہ ذکر ہے کہ مجتہد کس طرح استنباط کرتا ہے۔ نہ اُس کے ماخذوں کی بات ہے۔ نہ عوام زیر بحث آئے نہ اُن کی بے بضاعتی پر نظر ڈالی گئی۔ نہ اُن کو مجتہد سے رجوع کرنے کا حکم ہے۔ نہ وہاں آئمہ علیہم السلام کی عصمت کا بیان ہے۔ نہ ہی مجتہد کے لئے یہ سند ہے کہ کبھی کبھی اُس کے اخذ و استنباط کردہ احکام صحیح ہوں گے۔ نہ مجتہد کے زندہ ہونے کی فکر ہے۔ نہ مرنے کی پرواہ ہے۔ نہ اس اتہام کا شائبہ ہے کہ آئمہؑ اہل بیت بھی کبھی اجتہاد کریں گے۔

علامہ صاحب نے اس آیت کا نہ پہلا حصہ لکھا اور نہ ہی آیت کا آخری حصہ ضروری سمجھا۔ جیسے **لا تقربوا الصلاۃ** ''نماز کے قریب نہ پھٹکا کرو'' کی طرح اس آیت کے بیچ والے ٹکڑے کو مطلب کا ٹکڑا سمجھ کر قرآن سے اچک لیا۔ غلطی یہ کی کہ اس کو واؤ سے شروع کیا مگر

عقل مندی سے واؤ کا ترجمہ نہ کیا۔ ورنہ واؤ سے شروع ہونے والا بیان تو یہ تقاضہ کرتا ہے کہ اس سے پہلے والے بیان کو ملا کر پڑھا یا دیکھا جائے۔

بہرحال قارئین کرام سے گزارش ہے کہ سورۃ النساء کی پچھترویں آیت کو ابتدا سے پڑھیں اور مسلسل پڑھتے ہوئے آیت زیر بحث 4/83 تک پہنچیں۔ ہم اس آیت 4/83 کو اس ترتیب سے نمبر دے کر لکھتے ہیں جو ہر ہر جملہ کے پورے لفظی معنی دیکھنے میں ممد ہو۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ آیت خود ہی اپنی حقانیت منوانے کے لئے کافی ہوگی۔

(1) اور جب پہنچتا ہے ان کے پاس۔ (1) وَاِذَا جَآءَ هُمْ

(2) کوئی امر امن سے متعلق۔ (2) اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ

(3) یا خوف سے متعلق تو۔ (3) اَوِ الْخَوْفِ

(4) وہ گروہ اُس امر کو فاش کر دیتا ہے۔ (4) اَذَاعُوْا بِهٖ

(5) اور اگر وہ اُس امر کے متعلق رجوع کرتے۔ (5) وَلَوْ رَدُّوْهُ

(6) محمد رسول ؐ اللہ کی طرف۔ (6) اِلَى الرَّسُوْلِ

(7) اور امر والوں کی طرف جو مسلمانوں ہی میں سے ہیں تو (7) وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ

(8) یقیناً صحیح علم حاصل ہو جاتا اس گروہ کو جو۔ (8) لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

(9) اجتہاد یا استنباط کرتا ہے مسلمانوں میں سے امر کے متعلق۔ (9) يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

(10) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت (محمدؐ) روک نہ ہوتے۔

(10) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

(11) تو ضروری تھا کہ چند مسلمانوں کے سوا تمام مسلمان شیطان کے قدم بہ قدم چل

دیئے ہوتے۔ (11) لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّیۡطٰنَ اِلَّا قَلِیۡلًا O (4/83)

قارئین نے دیکھ لیا کہ یہ آیت اجتہاد کے جواز کی بجائے خود اس نظام کی مذمت کرتی ہے آیت زیر بحث سے پہلی آیات میں اسی گروہ کی ذہنیت، عمل در آمد طاغوتی ولایت وقیادت کا ذکر ہوتا چلا آیا ہے۔ اور آخر میں اس گروہ کو روشناس کرانے کے لئے رسولؐ اللہ اولی الامر اور مسلمانوں سے الگ ایک جماعت ثابت کر دیا ہے۔

نہایت دکھ کی بات ہے کہ جب مجتہد کو اولی الامر، صاحب حکم و اختیار بادشاہ اور امام کی جگہ دین و دنیا میں امام کی ریاست کا حاکم بنانا تھا تو آئمہ معصومینؑ کی عصمت بیان کر دی آخر میں جب خلعت شاہی پہنا دی تو انہی آئمہ معصومینؑ (اولی الامر) کو رسولؐ اللہ کی صف میں مقام بلند سے پکڑ دکڑ کے استنباط کرنے والوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اب قوم کو یہ بتانا علامہ صاحب کی ذمہ داری ہے کہ اگر یہ حضراتؑ بھی استنباط کرنے والے ہیں تو اولی الامر کون ہوگا؟؟؟؟

علامہ السید علی الحائری مجتہد کی پیش کردہ تیسری آیت بطورِ دلیل:

''سورہ توبہ وَمَا كَانَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لِيَنۡفِرُوۡا كَآفَّةً فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِي الدِّيۡنِ وَلِيُنۡذِرُوۡا قَوۡمَهُمۡ اِذَا رَجَعُوۡٓا اِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُوۡنَ O۔

جواز۔ علامہ السید علی الحائری مجتہد:

یعنی مومنین کے لئے یہ نہیں ہے کہ وہ سب روانہ ہو جائیں۔ لیکن اُن کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں روانہ نہیں ہوتی تا کہ وہ علم فقہ اور دانش حاصل کرے دین کے متعلق۔ اور تا کہ واپس آ کر وہ اپنی قوم کو ڈرائیں تا کہ شائد وہ ڈر جائیں خدا کے

عذاب سے۔ چنانچہ اس آیت سے بھی چند چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ دین کا تفقہ اور اس کا درسی حیثیت سے حاصل کرنا واجب کفائی ہے۔ نہ کہ واجب عینی ہر اُس شخص پر جس پر دین واجب ہو۔ اس لئے عوام پر علم حاصل کرنا واجب نہیں۔ اس لئے کہ وہ عوام ہونے کی وجہ سے معذور ہیں۔

دوم۔ واپسی کے بعد اُس ان پڑھ اور عوام کے گروہ کی تنذیر کریں۔ لٰہذا علم فقہ حاصل کرنے والوں پر قوم کی تنذیر واجب عینی ہوئی۔

سوم۔ ماموراتِ وممنوعات کا ذکر سے تنذیر کرنا اور اللہ کے احکام پہنچانا عموماً امر ونہی کرنا ہی ہے۔ اور اس تنذیر کا تعلق استنباط اور فتویٰ دینے سے ہے۔ کیونکہ مجتہد بلا ذکر وبلا آیت و حدیث کی دلیل سے بلا ماخذ بتائے بات کرتا ہے۔ اور اُس کے لئے اِس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ لٰہذا منذر یا تنذیر کرنے والے کا اجتہاد کرنا ثابت ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب تک علم میں راسخ نہ ہو اُس کے لئے اوامر ونواہی اور استنباط اور نقل پیش کر سکنا مشکل ہے۔ اور اگر کرے تو اسکا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ چہارم۔ شائد کہ وہ ڈر جائیں قوم کی تقلید پر دلیل ہے۔ اس لئے کہ وہ لوگ سر جھکا کر صرف اللہ کے احکام بلا دلیل و بلا ماخذ سنتے ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ انہیں خدا کا خوف ہے۔ ورنہ وہ بلا دلیل و برہان اور بلا ماخذ ڈرانے والے کی باتیں نہ سنتے اور نہ عمل کرتے۔ اور خود یہ قابلیت نہیں رکھتے کہ ماخذ وغیرہ دریافت کریں اس لئے مقلد ہیں تقلید ثابت ہوگئی اجتہاد وتقلید کے ثبوت میں بہت سی آیات ہیں۔ مگر ان اوراق میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔"

جواز پر ہمارا تبصرہ: علامہ صاحب کی اللہ اور قرآن پر تہمتیں ۔علامہ صاحب نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اس آیت 9/122 میں اللہ و قرآن پر درج ذیل تہمتیں لگائی ہیں۔

(1) اس آیت میں نہ پورے قرآن میں کہیں بھی دین کا تفقہ حاصل کرنا واجب کفائی نہیں ہے۔یہ نہ صرف ایک تہمت ہے بلکہ اپنی قیادت قائم رکھنے کے لئے ایک بہت سنگین جسارت ہے جس سے عوام کو اللہ و رسولؐ کے حکم کے خلاف جاہل رکھنے کا جواز پیدا ہوا ہے۔ قرآن اور رسولؐ اللہ نے بلا استثناء ہر مسلمان مرد عورت پر حصول علم واجب و فرض کیا ہے۔ ایسے علامہ حضرات امت کو جاہل رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔اور اس ذمہ داری کو قرآن کے ذمہ لگاتے ہیں۔اگر ملت شیعہ میں محافل و مجالس مظلوم کربلاؑ نہ ہوتیں تو یہ قوم یقیناً اقوام عالم کے سامنے جاہل ترین قوم ہوتی۔

(2) قرآن کریم میں نہ اس آیت میں کہیں بھی ان پڑھوں اور عوام کو اس طرح ذلیل اور بے کار و معذور قرار نہیں دیا گیا ہے۔

(3) اس آیت میں نہ قرآن میں کہیں تنذیر یا ہدایت کاری کے لئے عوام اور جاہل ہونے کی شرط لگائی نہ یہ کہا کہ تنذیر یا امر نہی بتانے والا فلاں درجہ کا عالم یا مجتہد ہو۔قرآن کی رو سے ہر درجہ کے آدمی کی تنذیر کی جاتی ہے اور جو جتنا جانتا ہے اسی قدر ناواقفوں کو بتانے پر مامور ہے یعنی تنذیر کیلئے نہ واپسی کی شرط ہے نہ درجہ اجتہاد کی فکر ہے۔

(4) قرآن میں کہیں بلا دلیل و برھان بلا ماخذ بتائے بلا آیت و حدیث پڑھے فتویٰ دینے کی اجازت یا ذکر نہیں ہے۔

(5) قرآن میں جگہ جگہ دلیل دینے اور دلیل مانگنے کا تقاضہ ہے اور بلا دلیل دین داری یا تقلید کو بے دینی اور کفر کا اسلوبِ حیات قرار دیا ہے۔

زیر بحث آیت سورہ توبہ 9/122

علامہ صاحب نے اس آیت کو صرف اس لئے اختیار کیا کہ اس میں لفظ ''لیتفقھوا'' آ گیا ہے۔تا کہ اس علم سے اس علم فقہ کی آڑ لی جائے جو دو سو سال بعد امام شافعی نے تصنیف کیا تھا۔ چنانچہ علامہ صاحب نے آیت میں تحریف کر کے تحصیل علم فقہ کا اضافہ کر دیا اور دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کو علم فقہ بنا دیا۔تا کہ ان کے زمانے کے لوگ اس علم فقہ کی تحصیل کو قرآن کا حکم سمجھیں۔

زیر نظر آیت میں ''وما کان المومنون'' کی جگہ ''وما کان المومنین'' لکھا۔عربی کے طلبہ یقیناً لطف اندوز ہوں گے کہ علامہ نے ''کان'' سے کیا اثر لیا ہے؟

ترجمہ آیت 9/122 مومنین کے لئے یہ تو واقعی ممکن نہیں کہ وہ سب کے سب خود کو اس ناپسندیدہ ماحول سے نکال لیں مگر ایسا کیوں نہ کیا گیا کہ ان کے ہر طبقہ میں سے ایک جماعت الگ ہو کر نکل آتی تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتی اور جب پلٹ کر ان میں واپس جاتے تو اپنی اپنی قوم کو تنذیر کرتے تا کہ وہ غلط عمل درآمد سے باز آ جاتے''۔

آیت کن حالات سے تعلق رکھتی ہے

قارئین پہلے یہ دیکھیں کہ یہ آیت واؤ سے شروع ہوتی ہے۔یعنی بات پیچھے سے چلی آ رہی ہے۔لہٰذا پیچھے پلٹ کر دیکھئے۔معلوم ہوا کہ اس سے پہلے والی آیت بھی واؤ سے شروع ہوتی ہے۔لہٰذا آپ وہاں پہنچ گئے جہاں سے بات شروع ہوئی ہے۔اور اس سے پہلے یہ حکم ملا ہے کہ مومنین تقویٰ اختیار کریں اور صادقین کی معیت اختیار کر لیں (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (9/119) اس کے بعد مدینہ

اور مدینہ کے زیر اثر مسلمان باشندوں پر اعتراض کیا گیا کہ وہ سب رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر اپنی اپنی جانوں کی فکر میں مبتلا ہیں۔ یعنی صادقین تو صادقین ہیں۔ وہ لوگ مجسمۂ صدق کا ساتھ بھی نہیں دیتے ہیں نہ معیت اختیار کرتے ہیں۔ پھر یہ کہا گیا کہ اس معیت کے اختیار کرنے میں جو بھی دِقت یا تکلیف ہوگی اُس کا بدلہ دیا جائے گا (9/120) اس سلسلے میں بھوک، پیاس، لوگوں کی دشمنی، اخراجات اور دور و نزدیک کی مسافرت وغیرہ پر اجر دیا جائے گا (9/121) یہ سب کچھ فرمانے کے بعد اللہ نے صادقین کے ساتھ ہوجانے کا طریقہ بتانے کیلئے مذکورہ بالا آیت بیان کی ہے۔ یعنی مجسمہ صدق رسولؐ اور صادقین اولی الامر سے رابطہ اور صداقت میں راہ نمائی کے لئے یہ آیت ہے۔ سب نے یہ سمجھا ہے اور صحیح سمجھا ہے کہ مسلمان جہاں جہاں بھی ہوں وہاں سے وہ علم دین حاصل کرنے کے لئے مرکز یعنی مدینہ میں آئیں گے۔ اور اہل مدینہ و گرد و نواح مدینہ کا حال معلوم ہوگیا۔ اُن لوگوں سے جو کچھ حاصل ہوگا وہ یہی کہ رسولؐ اللہ کی مخالفت کرو۔ ان کی تحریک کا منشا الٹ دو۔ لہٰذا تنہا رسوؐل اللہ باقی رہ گئے۔ مگر صادقین کی معیت اختیار کرنے کا حکم ہوا۔ جس کے معنی واضح ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ اور ہستیاں بھی ہیں۔ جو رسوؐل کی مانند صادق ہیں۔ اور صادق وہ ہے جو کاذب نہ ہو۔ جس سے کذب کی نفی ہو جس کا کبھی بھی کذب سے تعلق نہ رہا ہو۔ لہٰذا تمام مومنین جہاں بھی ہوں اُن پر واجب اور بقول علامہ واجب عینی ہے کہ وہ صادقین کے ساتھ رہیں ساتھ ہو جائیں۔ کذب و کاذبین سے بچیں اور صدق اختیار کریں نظام صدق کو ممکن العمل بنانے کے لئے فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے کہ مومن جہاں بھی ہیں وہ سب ایک دم سب کچھ چھوڑ کر نہیں نکل سکتے۔ مگر تھوڑے تھوڑے لوگ جو

اپنی قوم کے حالات کو بدلنا چاہتے ہوں۔ اور خود اس ماحول سے پیچھا چھڑا سکتے ہوں وہ کیوں نہ ایسا کریں کہ صادقین کے پاس آئیں اور حسب موقعہ واستعداد وضرورت احکام وہدایات لیں اور واپس جا کر اس قومی ماحول کی اصلاح کریں اور دوسروں کو یہاں بھیجیں۔ یہاں تک کہ تمام مسلمان علم دین سے آگاہ ہو جائیں اور متعلقہ اقوام مسلمان ہو کر اسی رابطہ میں مربوط ہو جائیں۔ اور کفر وکذب وجہالت سے بچ جائیں۔ علامہ نے آبادی کی کثرت کے لئے آئے ہوئے جملے **لعلّھم یحذرون** کے معنی بھی ''شاید کہ وہ ڈریں'' کر دیئے ہیں۔ حالانکہ فرمایا گیا کہ۔ ''اگر تم نے مندرجہ بالا عملدرآمد جاری رکھا تو اُن سب کے لئے اس ناپسندیدہ حالت سے بچ نکلنے کا موقعہ پیدا ہو جائے گا''۔ اور اولین مقصد اُن اعمال سے حذر کرنا ہے۔ جو اقوام میں نام نہاد علماء نے پیدا کئے ہیں۔ اُسی حذر کے لئے تھوڑے تھوڑے لوگوں کو بلایا جا رہا ہے۔ کیونکہ سب کا ایک دم حذر کرنا یا بچنا ناممکن ہے۔ چند لوگوں نے حذر کیا۔ حذر پر قائم رہنے کی تعلیم وقوت حاصل کی۔ واپس گئے اپنا تجربہ سنایا۔ دوسروں کو ہمت وقوت ملی۔ انہوں نے حذر کیا اور یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری ہو گیا۔ لہٰذا معصومینؑ ومرکز سے متحرک رابطہ برسرکار قیادت قیامت تک جاری کرنا مقصود تھا۔ نہ کہ عوام اوراَن پڑھ بنا کر تقلید کے چکر میں مبتلا رکھنا۔ علامہ صاحب نے یہ نقشہ کھینچا کہ ایک ٹولی لکھ پڑھ کر مجتہد بن کر چلی گئی بس جا کر اپنی تقلید بلا دلیل بلا سنت وقرآن جاری کر دی اور چھٹی ہو گئی۔ نہ اب مجتہد معصومؑ سے ہدایت لے گا نہ اس کے مقلد آئیں گے۔

کار دین تمام شد۔

بہر حال اس آیت سے بھی ہمارے مقدمہ کا ایک جزو بھی ثابت نہیں ہوا۔

علامہ السید علی الحائری مجتہد کی اجتہاد و تقلید کے جواز میں پیش کردہ نو عدد احادیث

پہلی حدیث:۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں: ''۔جواب عقلی کی رو سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ البتہ نقل یعنی قرآن اور حدیث سے ثبوت یوں ہے۔ کہ مذکورہ بحثوں میں جو آیات مذکور ہو چکی ہیں۔ وہ عمومی اور وسیع مفہوم رکھتی ہیں۔ اور قیامت تک زندہ علماء کی طرف رجوع کا جواز ہی نہیں بلکہ رجوع کا واجب ہونا ثابت کرتی ہیں۔ رہ گئے وہ ثبوت جن سے یہ ثابت ہو کہ غیبت کے زمانہ میں علماء کی طرف رجوع کرنا اور علماء کو آئمہ علیہم السلام کا نائب سمجھنا واجب ہے۔ اور یہ کہ علماء کو اجازت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی حدیث **جس پر ساری اُمت متفق ہے**۔ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں'' اور اس حدیث کا منشاء اور غرض یہ ہے۔ کہ امتِ رسولؐ کو قرآن و حدیث کی تعلیمات اور احکام پہنچائے جائیں اور امت کو ترکِ احکام اور خلل اور ڈگمگانے اور جہالت سے محفوظ رکھا جائے۔ اور تمام علماء کو نبیوںؑ کے درجہ پر مقرر کیا ہے۔ لہٰذا ان کی طرف احکام حاصل کرنے کے لئے تمام عوام پر رجوع کرنا واجب کر دیا گیا ہے۔

ہماری ناقدانہ نظر۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاءؑ کے مانند ہیں''۔

بقول علامہ صاحب ''جس پر ساری امت متفق ہے'' یہ حدیث شیعوں کی احادیث کی کتابوں (کتب اربعہ) میں نہیں ہے۔ بہرحال ہم حدیث سے انکار نہیں کرتے اس حدیث میں لفظ علماء حضرات آئمہ علیہم السلام کے لئے اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام (روحی له الفدا) فرماتے ہیں کہ:۔

اَلـنَّاسُ عَلٰی ثَلاثَۃِ اَصْنافٍ (۱) عَالِمٌ (۲) مُتَعَلِّمٌ (۳) وغِثاء (۱)فَنَحْنُ الْعُلَمَاء (۲) وَشِیْـعَتُنَا المتعلِّمُون (۳) وَسَـائِرالناس غثآء (کافی باب اصناف الناس)

۔’’انسانوں کی تین قسمیں ہیں (1) عالم (2) طالب علم (3) اور مَلْبَہْ ۔ چنانچہ ہم علماء ہیں اور ہمارے مکتب فکر کی اشاعت کرنے والے (شیعہ کا حقیقی ترجمہ) طالبانِ علم ہیں ۔اور باقی ماندہ انسان ملبہ ہیں‘‘۔

اس پر مجتہدین نے یہ اعتراض کیا کہ آئمہ اہلبیتؑ تو سابقہ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں ۔لہٰذا اُس حدیث سے امت کے عام علماء مراد ہیں ۔ہم عرض کرتے ہیں کہ عام علماء مراد ہوں یا نہ ہوں ۔مجتہدین کا نہ ذکر ہے نہ وہ مراد لئے جاسکتے ہیں ۔اس لئے کہ اُمت کے تمام علماء اور مجتہدین دونوں کو شامل کرکے بھی ان کے لئے نہ وہ علم ثابت ہے جو حضرات عیسٰی وموسیٰ اور جناب سلیمان علیہم السلام کے لئے قرآن وحدیث سے ثابت ہے ۔نہ انہیں اس قابل سمجھا جاسکتا ہے ۔کہ وہ مٹی کی چڑیا کو حیات اور پر پرواز بخش سکتے تھے ۔یعنی اس امت کے مجتہد ہوں یا علمائے عام ہوں نہ وہ سابقہ انبیاؑ یا انبیائےؑ بنی اسرائیل کی مانند ہیں نہ ان کے برابر ہیں ۔ بلکہ ایسا کہنا انبیاؑ کی توہین ہے ۔وہؑ صاحبان کتاب تھے ۔انؑ پر ملائکہ نازل ہوتے تھے ۔وہؑ معصوم تھے ۔صاحبان معجزہ تھے ۔کہاں وہؑ کہاں امت کے عام علماء۔

<u>**علامہ کی پیش کردہ دوسری حدیث:** ابن حنظلہ سے روایت ہوئی ہے کہ:۔جناب امام جعفرؑ صادق نے فرمایا کہ تم اسکا پتہ لگاؤ کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو ہماری احادیث بیان کرتا ہے اور ہمارے حلال وحرام پر نظر رکھتا ہے اور ہمارے احکام کی معرفت</u>

رکھتا ہے۔ چنانچہ ایسے شخص سے ہمارے احکام کے بارے میں راضی ہو جاؤ۔ پس یقیناً میں مذکورہ شخص کو تمہارے اوپر حاکم مقرر کرتا ہوں۔ چنانچہ جب وہ ہمارے حکم نافذ کرے اور کوئی ان احکام کو قبول نہ کرے اس سے تو اس نے گویا اللہ کے احکام کی بے حرمتی کی اور ہمارے حکم کو ٹھکرایا۔ اور ہمارے حکم کو ٹھکرانے والا، اللہ کے احکام کو ٹھکرانے کا مجرم ہے اور یہ کام اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی حد سے تجاوز کر گیا۔

ہماری ناقدانہ نظر۔ علم الرجال میں بقول خود مجتہد حضرات نے ابن حنظلہ کی روایات کو نا قابل قبول کہا ہے۔ ہم بہر حال حدیث کے الفاظ پر دار و مدار رکھتے ہیں۔

یہ صورت حال بھی اجتہاد کے خلاف نکلتی ہے یعنی اگر کوئی ایسا شخص نظر میں ہو۔ تو اس سے امامؑ کا حکم لے کر عمل کر لو اور بس۔ فیصلہ بہر حال حکمِ امامؑ سے ہوگا۔

علامہ کی پیش کردہ تیسری حدیث: جناب ابی خدیجہ نے بیان کی ہے کہ مجھے جناب امام جعفرؑ صادق نے ہمارے صحابہ کی طرف بھیجا اور کہلوایا کہ جب تم میں لین دین یا کوئی دوسری قسم کا تنازعہ اٹھ کھڑا ہو جس کا فیصلہ کرنے کیلئے تمہیں ان لاقانون قاضیوں کی طرف رجوع کرنا پڑے تو تم اپنے میں سے ایک ایسے شخص کو اختیار کر لو جو ہمارے حلال و حرام کی معرفت رکھتا ہو تو میں ایسے شخص کو تم پر اپنی طرف سے قاضی مقرر کرتا ہوں۔ اس جگہ بھی عام اجازت فرمائی گئی ہے۔ کہ انؑ کی ملت کے علماء و فقہاء کی طرف رجوع کریں اور فرمادیا کہ میں اس کو تم پر حاکم و قاضی مقرر کرتا ہوں۔

ہماری ناقدانہ نظر۔ اس حدیث میں امام جعفرؑ نے ابن خدیجہ کے ہاتھ اپنے شیعوں کو اجازت دی ہے جہاں امامؑ کی طرف سے کوئی مستقل شخص بطور نیابت مقرر نہیں ہے "تو تمہیں اپنے میں

سے ایک ایسے شخص کو اختیار کرلو جو ہمارے حلال وحرام کی معرفت رکھتا ہو تو میں ایسے شخص کو تم پر اپنی طرف سے قاضی مقرر کرتا ہوں''۔اس میں کہیں بھی ذاتی رائے ،بصیرت ،اجتہاد و قیاس کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اس حدیث میں ایک سادہ سی فطری صورت حال زیر نظر ہے تا کہ ایک شیعہ کو معصومؑ حکم ملے خواہ کہیں سے کسی سے ملے۔

علامہ کی پیش کردہ چوتھی حدیث: ہمارے شیخ انصاری صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔اوران کی بھی غرض یہی ہے۔انہوں نے فرمایا؟ ان پر سلام ہو کہ جو کوئی فقہا میں سے اپنی ذاتی میلانات سے محفوظ ہو، اور اپنے دین کا محافظ ہو،اور اپنی رائے ،قیاس وخواہشات کا مخالف ہو۔اور اپنے مولاؑ کی اتباع کرنے والا ہو۔عوام پر لازم ہے کہ اس کی تقلید کریں۔

ہماری ناقدانہ نظر۔ اس حدیث کو دیکھ کر اصول فقہ کے مطابق سابقہ تینوں احادیث کو (معاذ اللہ) مجمل احادیث نا قابل قبول کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان احادیث میں نہ کوئی شرط تھی نہ پابندی۔(امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی اس حدیث کا آخری حصہ جو تحریر نہیں کیا گیا)۔چنانچہ شیعہ فقہاء میں سے جو جو فقہاء قبیح اور فحش اعمال کے مرتکب ہوتے ہوں۔اور عامہ (اہل سنت) فقہا کی طرح قانون کو اپنے ماتحت رکھیں (فسقة) ان کی طرف سے کوئی حکم کوئی حدیث کوئی بات قبول نہ کرنا خواہ وہ ہماری طرف سے پیش کریں اور نہ ان کی عزت واکرام کرنا نہ انہیں اچھا سمجھنا''۔

(الف) اس حدیث میں دو باتیں واضح ہیں۔

1۔شیعوں میں حضرت امام جعفرؑ صادق کے زمانہ میں دو قسم کے فقہا موجود تھے۔

2۔ان شیعہ فقہا میں ایسے فقہا بھی تھے۔ جو فاسق اور گناہان کبیرہ میں مبتلا تھے۔

(ب) حدیث میں فقہا کی اچھی صفات بیان فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ:۔

1۔﴿**فللعوام ان یقلدوہ**﴾ ''عوام کو چاہئے کہ اس کی تقلید کریں۔

پھر فقہا کی بُری صفات بیان کیں اور فرمایا کہ:۔

2۔﴿**فلا تقبلوا منھم عنا شیئا ولا کرامۃ**﴾۔

''ہماری طرف سے ان کی زبانی کوئی چیز قبول نہ کرو نہ ان کا اکرام کرو''۔

ان دونوں فیصلوں کا مختصر اور عام فہم مطلب یہ ہے کہ امامؑ نے اچھے فقہا کے لئے جو کچھ جائز قرار دیا ہے۔ وہی کچھ بُرے فقہا کے لئے ناجائز کیا ہے۔ یعنی ایک گروہ کی تقلید جائز ہے۔ دوسرے گروہ کی تقلید ناجائز ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ ایک گروہ اللہ ورسولؐ اور آئمہؑ کا جو حکم پہنچائے اسے قبول کیا جائے اور اس پر بڑی سختی اور خلوص دل سے عمل کیا جائے۔ لیکن دوسرے گروہ کی بات ہی نہ سنی جائے بلکہ اسے دھتکار و پھٹکار بتائی جائے۔

سوچئے اور سوچ کر بتایئے کہ یہاں کسی کی ذاتی رائے، قیاسی فیصلے، اور اجتہادی حکم ماننے اور تعمیل واطاعت وتقلید کا خیال کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ پھر بھی تو اصل بات اور امامؑ کا مقصد بہت دور اور بہت بلند ہے۔ وہاں تو چار ایسی شرطیں لگا دی گئی ہیں۔ کہ نام نہاد عالم تو کیا چیز ہے ان کے راہنما بھی ان شرائط پر پورا نہیں اتر سکتے ذرا سوچئے اور فیصلہ کیجئے کہ عوام کیسے اور کس مشین سے پتہ لگائیں کہ:۔

1۔ فلاں شخص اپنے نفس یعنی قلب وذہن وآنکھ وکان وغیرہ کو غلط جذبات وتاثرات واحساسات ولذّات سے بچاتا ہے۔ اور اس کا نفس یعنی پوری اندرونی مشین محفوظ ہے؟

اور کیا واقعی کوئی غیر معصومؑ شخص ایسا (صَائِناً لِنَفْسِہٖ) ہوسکتا ہے؟ اور

2۔ فلاں شخص اِسلام جیسے ہمہ گیر دین کے ہر عقلی ،نظری اور عملی مسئلہ سے کماحقہ واقف اوراس کا محافظ ہے؟ اور

3۔فلاں شخص ان تمام جذبات وتصورات ولذات وخواہشات کا مخالف ودشمن ہے ۔ جو قلب وذہن وچشم ونظر میں پوشیدہ رہتے اور پیدا ہوتے ہیں، جواللہ ورسولؐ وآئمہؑ کو ناپسند ہوں؟

4۔ اورفلاں شخص ظاہر وباطن ،مجمع عام وخلوت ،از پیدائش تا امروز ہر ہر معاملہ میں اللہ ورسولؐ وآئمہ معصومینؑ کے ہر ہر معاملہ میں اطاعت کرتا رہا ہے؟۔

مختصراً یہ کہ اگران خصوصیات کا پتہ لگانا عوام کیلئے ممکن ہےاورفقہاءان شرائط پر پورا اترتے ہیں تب جاکرعوام پرلازم ہوگا کہ وہ ان فقہاء کی تقلید کریں۔

ان چاروں احادیث میں کہیں بھی ہمارے اخذ کردہ مقدمات کا جوازنہیں ملتا۔ان میں نہ کہیں لفظ اجتہاد آیا نہ مجتہد کا کہیں پتہ چلا۔ان احادیث میں علماءاورفقہاءکے الفاظ استعمال ہوئے اورانکا مطلب مجتہداورمجتہدین بتایا گیا۔حالانکہ نہ علماء کے معنی مجتہدین ہیں نہ کسی حدیث میں فقہاءکومجتہدفرمایا گیا ہےیعنی نہ ہر عالم مجتہد ہوتا ہے نہ ہرفقیہہ کومجتہدکہا جاتا ہے

حدیث 5۔ ''منجملہ ان احادیث کے ایک ایسی حدیث جس پر شیعہ وسنی دونوں متفق ہیں۔وہ ہے کہ جب معاذ جبل کو آپؐ نے یمن کا قاضی بنایا تو اُس سے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اے سعدتم ان لوگوں کے درمیان کس طرح حکم نافذ کیا کروگے؟ عرض کیا کہ کتاب خدا سے حکم دیا کروں گا۔ نبیؐ نے فرمایا کہ اگرکتاب میں نہ ملے تو کیسے

حکم دیا کرے گا؟ عرض کیا کہ حدیث رسولؐ سے حکم دیا کروں گا۔ نبیؐ نے فرمایا کہ اگر حدیث میں بھی نہ ملے تو پھر کس طرح حکم دو گے؟۔ سعد نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ نبیؐ نے شکر خدا کیا کہ اُس نے اپنے رسولؐ کے رسول کو اُس چیز کی توفیق دی جو اللہ کو بھی محبوب ہے اور رسولؐ کو بھی پسند ہے۔ اس حدیث سے واضح طور پر رائے سے اجتہاد کرنا ثابت ہو گیا۔ اور نبیؐ نے بھی اجتہاد کی اجازت عطا فرما دی''۔

ہماری ناقدانہ نظر: علامہ صاحب رسالۃ التنقید شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''امامیہ کے یہاں تو متفقہ طور پر رائے قیاس اور استحصان حرام ہے'' علامہ صاحب کا تعلق کس مذہب سے ہے؟؟ قارئین یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ یہ حدیث کتب اربعہ میں نہیں ہے۔ بخاری اور مسلم نے بھی اسے نہیں لکھا اور ترمذی نے بھی اس کو غیر مرسل اور منقطع حدیث کہا ہے۔ (التوضیح والتلویح باب اجتہاد صفحہ 338، مجمع البحرین فی ادلۃ الفریقین صفحہ 532) بخاری نے لکھا ہے کہ ''رسول پاک اپنی رائے یا قیاس سے کبھی جواب نہ دیتے تھے'' (ادلۃ الفریقین صفحہ 536-535)

حدیث 6۔ ''شیعوں کے طریقہ پر آئمہؑ اطہار سے یہ ہے کہ اُن سب نے فرمایا کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم تمہیں مسائل واحکام الٰہی کے اصول القا کریں اور تم پر واجب ہے کہ تم اُن مسائل واحکام کے اصول کی تفریع کرو۔ پس یہاں وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ تفریع اور احکام کا استنباط ماخذیات کے اصول سے کیا جائے گا۔''

ہماری ناقدانہ نظر: حدیث میں امامؑ نے اصول القاء کرنے کی بات فرمائی ہے اور علامہ

صاحب نے ترجمہ میں دو مرتبہ اپنی طرف سے الفاظ ''مسائل واحکام'' کا اضافہ کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ''قالوا'' کہہ کر عربی بیان لکھا ہے یعنی ''تمام آئمہ نے فرمایا ہے'' اس طرح جو بات شروع کی جائے گی وہ ہرگز حدیث نہیں ہوسکتی اس لئے کہ نہ سب آئمہ ایک وقت میں موجود تھے نہ کوئی راوی ہر امام کے زمانہ میں موجود رہا ہے۔ بہرحال اگر اصول دینا آئمہ حضرات پر واجب ہے تو وہ ہمیشہ اور ہر حال میں واجب ہوگا۔ تو اس زمانہ میں بھی تعلیمات خداوندی اور ہدایات کو کیسے منقطع مان لیں۔ پھر آئمہ جو اصول بتائیں گے وہ یقیناً حدیث ہی ہوگا اور جو شخص بھی اسکی تفریع کریگا تو وہ حدیث ضرور بیان کرے گا اور خود بھی حدیث کے حکم پر عمل کرے گا۔ لیکن علامہ صاحب کے بیان کے مطابق تو حدیث کو ظنی اور اپنے ذاتی فیصلوں کو یقینی اور واجب تعمیل سمجھا جاتا ہے۔ دلیل و برھان یا ماخذ پیش کرنا ان کے یہاں غیر ضروری باتیں ہیں۔

<u>حدیث 7۔ ''یعنی امام محمدؑ باقرؑ نے فرمایا کہ اے ابان بن تغلب تو ہمیشہ مسجد نبویؐ میں بیٹھا کر اور لوگوں کو فتویٰ دیا کر اس لئے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تیرے جیسا مفتی دنیا دیکھے''۔</u>

<u>ہماری ناقدانہ نظر</u>:۔ علامہ صاحب نے ترجمہ میں لفظ ''دائماً'' بڑھا کر حدیث کے ناکافی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ امام محمدؑ باقر کا زمانہ تاریخی اعتبار سے تقیہ کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں مسجد نبویؐ میں کسی شیعہ مفتی کا بیٹھ کر ہمیشہ شیعہ مذہب کے مطابق فتویٰ دینا ایک بہت بڑا جھوٹ ہوگا۔

<u>حدیث 8 ''منع کرتا ہوں میں تجھ کو لوگوں کو ایسی باتوں پر فتویٰ دے جو تو نہیں جانتا</u>

یعنی ماخذ کے خلاف فتویٰ دینا جو تو نہیں جانتا۔

حدیث نمبر 9 ''فرمایا کہ میں تجھے اپنی رائے اور قیاس سے فتویٰ جاری کرنے سے منع کرتا ہوں''۔

حدیث نمبر 10۔ ''امام علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی (اللہ کی ہدایت کے بغیر) بلا علم وہدایت لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے اس پر رحمت والے فرشتے لعنت کرتے ہیں''۔

حدیث نمبر 11۔ جو کوئی لوگوں میں فتویٰ دے اور ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہ کو نہ جانتا ہو وہ انتہائی ہلاکت میں ہے یعنی عذاب میں مبتلا رہے گا''۔

مندرجہ بالا چار احادیث 8 تا 11 کو اجتہاد کے جواز میں کیوں پیش کیا گیا ہے؟؟؟

بہر حال جواز میں پیش کردہ تینوں آیات اور گیارہ احادیث میں کہیں بھی اور کسی طرح بھی ہمارے قائم کردہ دعووں کا جواز ثابت نہ ہے۔

نظریہ اجتہاد/دعاوی سے اختلاف میں دلائل

اب ہم قارئین کے سامنے بیسیوں آیات واحادیث میں سے چند ایک پیش کریں گے۔ جو ہمارے قائم کردہ دعاویٰ کے خلاف چشم نمائی کرتی ہیں۔ اور قارئین کی سہولت کے لئے ہمارے قائم کردہ دعاویٰ دوبارہ نمبروار پیش کئے جارہے ہیں۔

1۔ کیا بعض احکام، معاملات کے فیصلے، بعض حالات واشیاء کی تفصیل قرآن، حدیث اور سنت میں موجود نہ ہے؟

2۔ اگر کوئی درپیش مسئلہ کا حل ہمیں قرآن وحدیث اور سنت میں نہیں ملتا یعنی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو کیا اس مسئلہ کو باقی ماندہ دلائل اربعہ یعنی اجماع اور دلائل

عقلی کے ذریعہ سے استنباط یعنی اخذ کیا جاسکتا ہے؟

3۔ کیا وہ اخذ کیا ہوا حل یعنی استنباطی حل (علم یقین سے نہیں بلکہ ظنی علم سے حاصل کردہ حل) یعنی اجتہادی فتویٰ حکم واقعی یعنی اللہ و رسولؐ و امامؑ کے حکم کا بدل ہوگا؟

4۔ کیا عوام الناس پر لازم ہے کہ دین کے معاملے میں مجتہدین کی تقلید کریں اور شرع کے تمام فروعی مسائل کو بلا استدلال معلوم کریں۔ اور بلا چوں و چرا عمل کریں اور مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم سمجھیں؟ خلاف ورزی قابلِ سزا جرم ہوگی اور نیک اعمال (نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ) بھی اللہ کے یہاں نا قابل قبول ہونگے؟

5۔ کیا اجتہادی غلطی پر بھی مفتی اور مستفتی دونوں کو ثواب ملے گا؟

دعویٰ نمبر 1۔ کیا بعض احکام، معاملات کے فیصلے، بعض حالات واشیاء کی تفصیل، قرآن و حدیث اور سنت میں موجود نہ ہے؟

آیات: یہ قران ایسی حدیث نہیں جو عقول انسانی کی ایجاد ہو ولیکن یہ تو ان تمام تعلیمات خداوندی کی تصدیق ہے۔ جو اس وقت موجود ہیں اور جو قوم قرآن پر ایمان رکھتی ہے۔ اس کیلئے یہ قرآن ہدایت کا ذخیرہ رحمت کا خزانہ اور ساری کائنات کی ہر چیز کی تفصیل ہے۔ (12/111)

''اور ہم نے اے رسولؐ تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو کائنات کی ہر چیز کو بیان کرتی ہے اور المسلمین کیلئے ہدایت کا ذخیرہ، رحمت کا خزانہ اور خوشخبریوں کا گنجینہ ہے'' (16/89)

''ہم نے کتاب میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں چھوڑی'' (6/38، 27/75، 18/54)

معلمین قرآن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

''تم جو کچھ نہ جانتے تھے تمہیں اس سب کی تعلیم دی'' (2/239,4/113)

یہ بھی تمام مومنین سے کہا گیا ہے کہ تمہیں جس چیز کا علم نہ ہو، اُس کا علم صاحبان قرآن سے حاصل کرلیا کرو (16/43,21/7) قرآن کریم نے یہ پہلو طرح طرح سے واضح کر دیا ہے کہ مومنین کے لئے ہر بات بتانے والے راہنمایان اسلام قیامت تک موجود رہیں گے۔ احادیث اور صاحبان قرآن، قرآن اور احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

مولائے کائنات حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ: ''قرآن وہی تو ہے کہ اگر تم اُس سے گفتگو کرو تو وہ تم سے بات نہ کریگا۔ میں تمہیں اُس کی طرف سے خبر دینے والا ہوں۔ کہ یقیناً اُس میں ماضی کا تمام علم ہے اور آئندہ قیامت تک آنے والے حالات کا علم موجود ہے۔ اور جو کچھ تمہارے مابین گزرنا ہے۔ اُس کا پورا حکم واحکام ہیں۔ اور تم جو کچھ قرآن کے معاملے میں اختلافات کررہے ہو اُن سب کا بیان قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ اگر تم مجھ سے سوالات کرو تو میں تمہیں وہ تمام علوم تعلیم دے سکتا ہوں''۔

(باب الرد اِلیَ الکتاب و السنّۃ کافی کتاب فضل العلم حدیث نمبر 7)

حضرت امام جعفرؑ صادق فرماتے ہیں کہ: میں رسولؐ زادہ ہوں اس لئے قرآن کا عالم ہوں۔ قرآن میں تخلیقِ کائنات سے لے کر قیامت کے دن تک کی تمام تفصیلات ہیں۔ اُس میں آسمانوں، زمینوں اور جنت وجہنم کی تمام اطلاعات ہیں۔ اور وہ تمام خبریں ہیں جو ماضی میں گزر چکی ہیں اور وہ تمام حالات ہیں جو آئندہ وجود میں آنے والے ہیں۔ اور میں اُن سب کا اسی طرح عالم ہوں۔ جیسا کہ اپنے ہاتھ کو جانتا ہوں اور ایک ہی نظر میں دیکھ لیتا ہوں۔ یقیناً اللہ نے صحیح فرمایا ہے کہ قرآن میں ہر شے کا بیان کر دیا گیا ہے۔ (ایضاً

حدیث نمبر 8) ایک صحابی نے جناب امام ابوالحسنؑ موسیٰ سے دریافت کیا کہ۔

''کیا سچ مچ قرآن وسنۃ میں ہر چیز کا ذکر ہے۔یا آپؑ حضرات محض عقیدتاً ایسا کہتے رہتے ہیں؟۔فرمایا۔عقیدتاً نہیں بلکہ حقیقتاً اللہ کی کتاب اور نبیؐ کی سنت میں ہر چیز مذکور ہے''۔

حضرت امام جعفرؑ صادق فرماتے ہیں کہ :''حتیٰ کہ کوئی بندہ یہ کہنے کی مجال نہیں رکھتا کہ فلاں چیز قرآن میں ہوتی مگر وہ بھی اللہ نے قرآن میں نازل کردی ہے(کافی صفحہ 64)

حضرت امام محمدؑ باقر نے فرمایا کہ: ''اگر تم نہیں جانتے تو اہل الذکر سے سوال کر کے معلوم کر لیا کرو'' کے متعلق رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ میں ذِکرؐ ہوں اور آئمہ علیہم السلام ذکرؐ والے ہیں'' لہٰذا علم قطعی وکلّی کے حامل آئمہ اہلبیتؑ ہیں یعنی عالمانِ قرآن ہیں۔

(کافی کتاب الحجۃ باب اھل الذکر حدیث نمبر ا)

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ :

انا صاحب اللوح المحفوظ و الھمنی اللّٰہ عزوجل علم مافیہ۔

میں لوح محفوظ کا حامل ہوں اللہ نے مجھے اُس میں جو کچھ ہے اس کا علم بذریعہ الہام عطا فرمایا ہے۔(کتاب المبین جلد اول صفحہ 291)

امام جعفرؑ صادق نے فرمایا کہ:

''اے مفضل جو یہ غلط تصور رکھے کہ آل محمدؐ کے کسی امامؑ سے کوئی لازمی چیز او جھل ہو سکتی ہے یعنی جو کچھ قلم نے لوح محفوظ پر لکھا ہے اس میں کی کوئی چیز۔یقیناً اُسنے محمدؐ پر نازل ہونیوالے سامان کا کفر کیا ہے یقیناً میں تمہارے اعمال سے واقف ہوں ہم سے کوئی چیز مخفی نہیں تمہارے اعمال ہم پر پیش کیے جاتے ہیں۔(کتاب المبین)

دعویٰ 2۔ اگر کسی درپیش مسئلہ کا حل ہمیں قرآن وحدیث اور سنت میں نہیں ملتا یعنی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو کیا اس مسئلہ کو باقی ماندہ دلائل اربعہ یعنی اجماع اور دلائل عقلی کے ذریعہ سے استنباط یعنی اخذ کیا جاسکتا ہے؟

(الف) قارئین کرام نے دیکھا کہ اللہ رسولؐ اور آئمہ معصومینؑ نے ماضی حال و مستقبل کی ہر اطلاع ہر بات اور ہر ہر چیز کا قرآن میں موجود ہونا فرمایا ہے۔ اللہ و رسولؐ نے پوری امت کیلئے قرآن کو مکمل ضابطہ حیات بنا کر آخری حج کے موقعہ پر دین مکمل کر دیا۔ اب اگر کسی درپیش مسئلہ کا حل ہمیں نہیں ملتا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے۔

امام جعفرؑ صادق فرماتے ہیں:

''ایسی کوئی بات نہیں جس میں سے کوئی دو آدمی اختلاف کریں اور سمجھنا چاہیں قرآن میں اس کی اصلیت موجود ہے لیکن لوگوں کی عقلیں وہاں تک رسائی نہیں رکھتیں''۔

قرآن اگر چہ ہمہ گیر علم کا حامل ہے مگر تنہا کافی نہیں ہے۔ قرآن کو محمدؐ وآل محمدؐ ہی کی زبان سے آسان کیا گیا ہے۔ شیعہ سنی دونوں کی کتابوں میں آنحضرتؐ کے زمانہ سے لے کر تا قیامت ان راہنمایان دین علیھم السلام کا نام بنام تعارف کرایا جانا لکھا ہوا موجود ہے۔ مسلمانوں کی ساری کتابیں پڑھ جایئے آپ کو حضرت علیؑ اور ان کے جانشینوںؑ کے علاوہ کوئی صحابی تابعی یا تبع تابعین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ملے گا جس نے ساری کائنات یا پورے قرآن کا عالم ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ نہ نزول قرآن کے زمانے کا کوئی شخص اور نہ قیامت تک پیدا ہونے والوں میں سے کوئی شخص ایسا ممکن مانا جاسکتا ہے۔ جو صرف عربی

(زبان) میں مہارت کی قوت سے تمام تو کیا چند علوم کو بھی پوری طرح اور بلا معلم سمجھ سکے۔ اور تو اور اس کی مادری زبان بھی اسے معلم کے بغیر ہاتھ نہیں آتی۔ اس لئے جن لوگوں نے قرآن پر بلا راہنما و معلمِ قرآن محنت کی اور غلط نتائج کی بنا پر اپنی تمام محنت رائیگاں اور ضائع ہی نہیں کی بلکہ قرآن کی واضح آیات 16/89، 12/111 کی بھی تکذیب کی ہے۔

(2) پھر آیتوں اور احادیث کو اپنے خود ساختہ قواعد کے تحت تقسیم کر دیا۔ اور ہر وہ حدیث رد کر دی گئی جو ان قواعد اور اپنی عقل کے خلاف معلوم ہوئی۔ یوں اہل سنت والجماعت اور شیعہ حضرات کی کتابوں میں موجود احادیث کا 90 فیصد ذخیرہ ٹھکرا دیا گیا۔

قرآن کی بھی صرف وہ آیات قبول کیں جو ان کے نزدیک مفید ہیں۔ مکمل قرآن میں سے بھی صرف 500 آیات کو قابل توجہ سمجھا اور اپنے نصاب میں شامل کیں اس طرح یہاں بھی 90 فیصد سے زیادہ قرآن پر مختلف اصطلاحات کے پردے ڈال کر مہجور کر دیا۔ اب اس باقی ماندہ 10 فیصد احادیث اور 10 فیصد سے کم آیات میں سے کائناتی علوم حاصل کرنے اور درپیش مسائل کو حل کرنے کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟

(ب) اجماع اور دلائل عقلی سے قرآن و حدیث سے استنباط یا مسائل اخذ کرنا۔

اجماع اور عقل کے بارے میں حقائق اور اس کے جواز میں پیش کردہ آیات و احادیث پر بحث ہو چکی ہے۔ قرآن اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ انسانوں پر صرف منزل من اللہ احکام نافذ کرنا ہوں گے۔ کتاب اللہ سے حکم نہ دینے والا فاسق۔ ظالم۔ کافر ہے۔ (5/44,45,47) یعنی جو بھی حکم کرے یا فیصلہ دے وہ قرآن کے مطابق نہیں بلکہ ''بما'' (ساتھ جو، جس کے ساتھ، جس سے، جو کچھ) یعنی قرآن میں نازل شدہ فیصلہ ہونا چاہئے۔

یعنی ہر قاضی اور ہر مفتی کو قرآن سے ایک عدد یا چند آیات لکھنا ہوں گی۔

دعویٰ (3) کیا وہ اخذ کیا ہوا حل استنباطی حل (علم یقینی سے نہیں بلکہ ظنی علم سے حاصل کردہ حل) یعنی اجتہادی مسئلہ یا فتویٰ۔ حکم واقعی یعنی اللہ کے حکم کا بدل ہوگا؟

اس کے جواب میں ایک آیت یا حدیث بھی پیش نہیں کی گئی نہ ہی کی جاسکتی ہے۔ چونکہ شرعی حکم صرف اللہ کا نازل شدہ حکم ہونا چاہئے۔ اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف تنبیہ فرمادی ہے۔

''پس ھلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں۔ پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے'' (2/79)

دینی احکام میں رسوؐل پاک انبیاؑ اور آئمہؑ کی رائے بھی داخل نہیں کی جاسکتی۔ رسوؐل پاک جیسی محبوب ہستی کیلئے اللہ تعالیٰ نے سخت ترین الفاظ میں تنبیہہ کی ہے۔

(ترجمہ شاہ رفیع الدین) ''اگر باندھ لیوے اوپر ہمارے بعض باتیں البتہ پکڑیں ہم اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالیں ہم اس سے رگ گردن کی'' (69/44-46)

''کہہ دو کہ میرے لئے یہ بات مناسب ہی نہیں کہ میں اپنے ذاتی تصورات و میلانات سے اس میں تبدیلی کروں میرا فرض منصبی اسکے سوا کچھ ہے ہی نہیں کہ مجھ پر جو خدا کی طرف سے وحی آئے اسکی من وعن پیروی کرتا چلا جاؤں اگر میں اپنی رائے اور بصیرت کو داخل کر کے اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک عظیم ترین دن کے عذاب میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہے'' (10/15)

امام جعفرؑ صادق معصوم ہوتے ہوئے ماضی، حال و مستقبل کے علم رکھتے ہوئے

اپنی رائے اور نظریہ سے کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں سمجھتے" قتیبہ کہتے ہیں کہ ایک مرد نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک مسئلہ دریافت کیا آپ نے جواب دے دیا۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ اگر یہ بات یوں ہو یا یوں نہیں تو یوں ہو۔ تب آپؑ کیا کہیں گے؟ آپؑ نے فرمایا ٹھہرو بھائی سنو میں نے تیرے سوال کے جواب میں جو کچھ بھی کہا ہے وہ فرمانِ رسولؐ ہے۔ ہم لوگ (آئمہؑ) کسی بھی حیثیت سے اپنی رائے سے بات نہیں کرتے"
(کافی جلد اصفحہ 64)

<u>دعویٰ 4۔ کیا عوام پر لازم ہے کہ دین کے معاملے میں مجتہدین کی تقلید کریں اور شرع کے تمام فروعی مسائل کو بلا استدلال معلوم کریں اور بلا چوں و چرا عمل کریں اور مجتہد کے حکم کو اللہ کا حکم سمجھیں؟ خلاف ورزی قابل سزا جرم ہے۔ اس کے بغیر نیک اعمال، نماز روزہ، حج و زکوٰۃ بھی اللہ کے یہاں نا قابل قبول ہیں۔</u>

مسائل کو بلا استدلال معلوم کرنا اور ان پر بلا چوں و چرا، بلا تعقل و تدبر عمل کرنے سے متعلق بحث گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ مذہب شیعہ میں حقیقی مومنین کی نماز روزہ اور تمام تر اعمال و عبادات با مقصد اور تقرب خداوندی اور امامِ عصر والزمانؑ کی توجہات حاصل کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ عقل کے بارے میں رسولؐ پاک نے فرمایا ہے کہ اللہ نے جو چیزیں اپنی مخلوق میں تقسیم کی ہیں۔ ان میں عقل سے اچھی کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عقل مند کا سونا جاہل آدمی کی شب بیداری کی عبادت سے بہتر۔ اور عقل مند کا بیکار بیٹھا رہنا جاہل کی دین دارانہ دوڑ دھوپ سے بہتر ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: "وہ شخص جو عقل سے بے بہرہ یا کورا ہے وہ

نمازوں سے، خیرات سے اور خانہ کعبہ کے لاتعداد حج کرنے سے کوئی رفعت اور بزرگی نہیں پاسکتا'' ''یہ یقین رکھو کہ ثواب اور جزا کا دارومدار عقل کی مقدار پر منحصر ہے''۔

امام موسیٰ رضاؑ نے فرمایا کہ:

''جن دینداروں کے پاس عقل نہیں ہے ان پر بھروسہ نہیں کیا جانا چاہئے۔ میں نے عرض کیا حضورؑ ہمارے یہاں تو پوری شیعہ قوم ہے جو شیعہ مذہب پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک ان میں بدعملی بھی نہیں ہے۔ مگر وہ لوگ عقل کو اس طرح استعمال نہیں کرتے۔ فرمایا کہ یہ وہ لوگ نہیں ہے جن کو خدا نے دین دار کہہ کر مخاطب کیا ہے''۔

قارئین نے پیہم دیکھا کہ نظامِ اجتہاد کے مقلد قسم کے شیعوں کا اپنی عقل کو استعمال نہ کرنا اور بقلم خود خطا کار شیعہ مجتہدین کی بلا تعقل و تدبر، بلا دلیل طلب کئے، بلا چوں و چرا تقلید کرتے چلے جانا نہ صرف مومنین کے اعمال و عبادات کو ضائع کر رہا ہے۔ بلکہ انہیں خدا کے مخاطب کردہ مسلمانوں سے بھی خارج کرتا ہے۔

دعویٰ 4 (ب): اجتہادی احکام کو اللہ کا حکم، خلاف ورزی قابل سزا اور نیک اعمال کا قبول نہ ہونا تب ثابت ہوتا جب دعوی نمبر 3 یعنی اجتہادی احکام حکم واقعی یعنی اللہ کا حکم ثابت ہو جاتے جہاں تک تقلید کا تعلق ہے۔ جن حضرات کی اطاعت، اتباع اور تقلید واجب و لازم ہے ان کا معیار قرآن و حدیث سے مختصراً تحریر کیے دیتے ہیں۔ اگر مجتہد حضرات ان پر پورا اترتے ہیں تو یقیناً واجب التقلید ہیں۔

جن کی اطاعت و اتباع اور تقلید واجب ہے ان کی پوزیشن۔

1۔ معصوم ہو، تا کہ تعلیمات خداوندی میں کوئی کوتاہی، لغزش اور خطا ممکن نہ رہے۔ ورنہ

پوری نوع انسان گمراہ ہو جانے کے باوجود بے قصور کہلائے گی۔اور پھر گمراہی کے مواقع پیدا کرنے کا الزام بھی اللہ پر عائد ہو جائے گا۔

2۔جو شخص کائنات کی کسی چیز سے بھی جاہل ہو اس کی اطاعت تقلید اور اتباع واجب نہیں۔ چنانچہ ابوحمزہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا تھا کہ:۔۔ ''قسم بخدا وہ شخص ہرگز عالم نہیں ہوتا جو کچھ چیزوں کا عالم ہو اور کچھ چیزوں سے جاہل ہو۔اس کے بعد فرمایا کہ اللہ اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر اور زیادہ صاحب بزرگی اور کرم ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت انسانوں پر فرض کر دے جس سے اس نے اپنے آسمانوں اور زمینوں کے علوم کو پردہ میں پوشیدہ رکھا ہو۔(یعنی جو بعض حقائق سے جاہل ہو۔) پھر فرمایا کہ جس کی اطاعت فرض کرتا ہے۔اس سے آسمانوں اور زمینوں کا علم پوشیدہ نہیں رکھتا۔''

(ظفری جلد اول صفحہ 301)

3۔وہ پوری کائنات کا عالم حقیقی ہو (متعدد احادیث)

4۔اہل الذکرؑ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہوں۔

5۔امام جعفرؑ نے فرمایا: ''ہمؑ ہی وہ قوم ہیں جس کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے''

6۔امام رضاؑ نے فرمایا: ''میں کہتا ہوں کہ تمام انسان اطاعت کے معاملے میں ہمارے بندے یا غلام ہیں''۔

<u>دعویٰ نمبر 5۔اجتہادی غلطی پر بھی مفتی اور مستفتی دونوں کو ثواب ہوگا۔</u>

اس دعویٰ کے جواز میں بھی نہ کوئی آیت ہے اور نہ ہی کوئی حدیث اور نہ ہی کوئی عقل مند اسے قبول کرے گا۔نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ نے یہی سب سے بڑا اعتراض کیا ہے کہ کیا یہ

لوگ اللہ کے شریک ہیں کہ اس پر ان کے فیصلوں کو ماننا لازم ہو؟ یعنی اللہ اپنی منشاء کے خلاف حکم اور عمل کو بھی قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔

ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر ہمارے سامنے ایسے مسائل آ جائیں جن کے متعلق ہم قرآنی اور سنت کے جواب نہیں جانتے تو کیا ہم نقد و نظر سے کام لے لیا کریں فرمایا ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ اگر تم نے ٹھیک جواب دیا تو اجر نہ ملے گا۔ اور اگر غلط جواب ہوا تو تم اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہو گے (ایضاً صفحہ 61)

زیر بحث نظام کے فوائد و نقصانات

ظاہری فوائد: ہر وقت ہمہ قسمی جدید تقاضوں کی ضرورت کے مطابق ظنی علم سے استنباطی حل موجود رہتا ہے لیکن عملاً بہت بڑا نقصان کہ امامؑ وقت کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ (یعنی ظاہری فائدہ بھی درحقیقت باطن میں ایک نا قابل تلافی نقصان لئے کھڑا ہے)

دیگر نقصانات:۔ گو کہ نقصانات کی فہرست انتہائی طویل ہے مگر ان میں سے چند ذیل میں بیان کئے گئے ہیں۔

1۔ اسلام کی تکمیل۔ الیوم اکملت لکم دینکم (5/67),(3/5) قرآن ایسی ہمہ گیر کتاب و مکمل ضابطہ حیات تمام نصوص کی خلاف ورزی۔

2۔ امت کی باگ دوڑ تھمانے کیلئے عصمت انبیاءؑ و آئمہ کو ڈھال بنایا لیکن اپنے نقائص چھپانے کیلئے ان معصوم حضرات کو خطا کار اور استنباط کرنے والوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

3۔ عوام کی تذلیل۔ جاھل، مانند چوپائے، حشرات الارض ثابت کیا گیا۔

4۔ امامؑ زمانہ، ہدایت کرنے والے امام (مہدیؑ) اللہ کی طرف سے ذمہ دار (حجۃ اللہ) امام

کا عملاً انکار۔

5۔علم حاصل کرنا فرض کفائی۔عوام کو جاہل رکھنے کا مستقل پروگرام۔

6۔قرآن کی آیات واحادیث کی علم فقہ کے تحت اقسام میں تقسیم کر کے عِضین ہونے کے جرم ثابت ہوتا ہے۔اوران معصوم تعلیمات کو اصول فقہ کے ماتحت کر دیا گیا۔(اگر یہی اصول فقہ اجتہادی مسائل پر لاگو کیئے جائیں تو ایک مسئلہ بھی شاید قابل عمل نہ رہے)۔

7۔فتاویٰ ،اختلافات کا مجموعہ بن گئے۔لوگوں کو اس پر باقاعدہ قلم اٹھانے کا موقعہ مل گیا۔ اور بعض فتوؤں میں واضح نصوص کی خلاف ورزی کی گئی۔اختلافی فتاویٰ کی چند مثالیں:

اختلاف:(1) ''استاد اور شاگرد شیخ مفید اور سید مرتضیٰ میں 95 اختلافات تھے''

(مفتاح الشفاعۃ صفحہ 260)

(2) <u>شوہر اور بیوی کی میراث</u>

آغا خمینی توضیح المسائل صفحہ (429)

مسئلہ (**2767**) اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے مال کا چوتھا حصہ بیوی اور بقیہ دوسرے وارث لیں گے اور اگر بیوی سے یا کسی دوسری بیوی سے اس کی اولاد ہو تو مال کا آٹھواں حصہ بیوی اور بقیہ دوسرے وارث لیں گے اور عورت تمام قسم کی منقولہ جائیداد سے میراث لے گی۔<u>البتہ زمین اور اس کی قیمت سے کچھ نہیں ملے گا اور جو چیزیں زمین میں ثابت شدہ ہیں۔مثلاً مکان اور درخت تو بیوی ان کی قیمت سے میراث لے سکتی ہے۔</u>

سید علی حسینی سیستانی کی توضیح المسائل صفحہ (424)

مسئلہ (2768) اگر کوئی آدمی مر جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کے مال کا چوتھا حصہ اس کی بیوی کو اور باقی دوسرے ورثاء کو ملتا ہے۔ اور اگر کوئی اس آدمی کی اس بیوی سے یا کسی اور بیوی سے اولاد ہو تو مال کا آٹھواں حصہ بیوی کو اور باقی دوسرے ورثاء کو ملتا ہے۔ نہ گھر کی زمین باغ، کھیت اور دوسری زمینوں میں سے کوئی ترکہ پاتی ہے اور نہ ہی اس کی قیمت میں کوئی ترکہ پاتی ہے۔ نیز وہ گھر کی فضا میں قائم چیزوں مثلاً عمارت اور درختوں سے ترکہ نہیں پاتی لیکن ان کی قیمت کی صورت میں ترکہ پاتی ہے اور جو درخت، کھیت اور عمارتیں باغ کی زمین مزروعہ زمین اور دوسری زمینوں میں ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

اللہ کا فرمان: وَلَكُمْ نِصْفُ مَاتَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْدَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْدَيْنٍ.. (4/12)

ترجمہ: اور واسطے تمہارے ہے آدھا اس سے جو کچھ چھوڑ جائیں بیویاں تمہاری۔ اگر نہ ہوا اس کی اولاد۔ اگر اس کی اولاد ہے پھر تمہارے لے ہے چوتھا حصہ اس میں سے جو کچھ وہ چھوڑ گئیں تمہاری بیویاں بعد وصیت کے جو کر جائیں اس کے قرض کے۔ اور واسطے تمہاری بیویوں کے ہے چوتھائی اس میں سے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اگر نہ ہو وہ تمہاری اولاد اگر ہو تمہاری اولاد تو تمہاری بیویوں کے لئے آٹھواں

حصہ ہے اس میں سے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ بعد وصیت کے جو کر جاؤ قرض کے۔

قارئین خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں۔ قرآن میں اللہ کے واضح حکم کے خلاف تجاوز کرتے ہوئے بیوہ کو ترکہ کے 1/8 حصہ میں سے محروم رکھنے کی سنگین جسارت ہے۔ یہ جسارت کس حیثیت سے اور کون سے فقہی اصول کے تحت کی گئی ہے؟ اُس حیثیت اور اصول فقہ کو کیا نام دیا جائے گا؟؟

(3) نماز جمعہ واجب بھی حرام بھی اور اختیاری بھی۔

غیبت کبریٰ میں واجب ماننے والے علماء۔ (1) مولانا عبداللہ تستری اور اُن کے شاگرد۔ (2) مولانا محمد تقی مجلسی۔ (3) مولانا محمد بن علی کراجکی۔ (4) مولانا ابراہیم۔ (5) شیخ نورالدین علی بن عبدالعالی۔ (6) مولانا سلیمان بن عبداللہ۔ (7) مولانا سید ہاشم بحرانی۔ (8) مولانا محمد محسن کاشانی۔ (9) مولانا شیخ حُرّ آملی (10) مولانا محمد باقر مجلسی۔ (11) مولانا محمد باقر بن محمد مومن سبزواری۔ (12) مولانا زین الدین شہید ثانی۔ وغیرہ"۔

غیبت کبریٰ میں بلا اذنِ امامؑ حرام کہنے والے علماء

مولانا حمزہ بن عبداللہ اُن کا لقب سلاّر تھا۔ دیلمی تھے اور یہی پہلے مجتہد ہیں جنہوں نے نماز جمعہ کے لئے لفظ حرام کی اصطلاح سب سے پہلے استعمال کی تھی۔ (2) مولانا جلیل قزوینی (3) مولانا شیخ علی نقی۔ (یہ دونوں اخباری تھے)۔ (4) مولانا محمد بن ادریس جو کتاب شرائع الاسلام کے مصنف ہیں۔ (5) مولانا حسن بن عبداللہ تستری۔ (6) مولانا عبداللہ بن الحاج محمدؐ تونِی جو سراب مشہور ہیں۔ (7) مولانا اسماعیل ماژندرانی۔ (8) مولانا

قاضی نوراللہ شوستری۔ (9) مولانا شیخ سلیمان بن علی بن ابی طیبہ الشاخوری۔

آج کل کے تمام علماء واجب تخییری کہتے ہیں"۔ (مفتاح الشفاعۃ صفحہ 261)

(4) چوتھی صدی ہجری میں مجتہدین کی مساجد بھی الگ ہو چکی تھیں۔ شیعوں کی مساجد میں اذان میں **علیاً ولی اللہ** اور **حی علی خیر العمل** پڑھا جاتا تھا۔ مجتہدین اس شہادت علویہ کا اعلان نہ کرتے تھے۔ بلکہ علیؑ ولی اللہ کو اذان میں حرام سمجھتے تھے۔ (روضات الجنات، منتخب التواریخ، حدائق الناضرہ، مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت)

(5) اسی طرح کسی ایک مسئلہ پر مختلف توضیح المسائل میں آپس میں بھی اور اقوالِ معصومؑ سے بھی اختلاف ملیگا اور بسا اوقات حلال و حرام میں بھی تمیز ممکن نہیں رہتی۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ جدید تقاضوں کے مسائل قرآن و حدیث سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ کہاں تک قرآن و رسولؐ سے مطابقت رکھتے ہیں اسکی بے شمار مثالوں میں سے چند درج ذیل ہیں۔

حلال و حرام جانور کے احکام میں آغا سیستانی صاحب مور کو حلال قرار دیتے ہیں، آغا صادق تہرانی صاحب خرگوش اور کوے بھی حلال قرار دیتے ہیں جب کہ امام محمدؑ باقر اور امام جعفرؑ صادق کے مطابق، خرگوش، کوے اور مور کو کھانا جائز نہیں ہے۔

(6) **مہر نہ دینے کی نیت:** حضرات آغا خمینی، آغا خوئی، آغا سیستانی، آغا لنکرانی صاحبان کا اجتماعی فتویٰ یہ ہے کہ "اگر مرد عقد میں حق مہر متعین کرے لیکن اس کی نیت ہو کہ حقِ مہر ادا نہیں کرے گا تو عقد صحیح ہے"۔

جب کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا" جو شخص کسی عورت سے عقد کرے

اور اس کی نیت مہر ادا کرنے کی نہ ہو تو وہ اللہ کے نزدیک زانی ہے"۔

قارئین نوٹ فرمائیں کہ مثال کے طور پر پیش کیے گئے درج بالا دونوں مسائل کونسا نیا (جدید) تقاضہ ہیں؟ اور کس قرآنی آیت یا حدیث سے ماخوذ ہیں؟ لیکن عوام یہ پوچھنے کا حق نہیں رکھتی۔ انہیں تو صرف تمام احکامات پر بلا چوں چرا اللہ و رسولؐ کا حکم سمجھ کر صرف عمل کرنا ہے۔

(7) حضرات آغا خمینی، خوئی، سیستانی، لنکرانی اور خامنہ ای کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اگر حلال مال مالِ حرام کے ساتھ اس طرح مل جائے کہ انسان ان میں سے ایک کو دوسرے سے تمیز نہ کر سکے اور مالک مال کو مالِ حرام اور اس کی مقدار بھی معلوم نہ ہو تو تمام مال کا خمس دے اور خمس دینے کے بعد باقی مال حلال ہو جائے گا۔

جب کہ قولِ معصومؑ اس کے خلاف ہے۔

امام حسن عسکریؑ نے امام زمانہؑ کو دیکھا اور فرمایا "اے بیٹا! اپنے دوستوں اور شیعوں کے تحفے کی مہر توڑ دو"۔ امامؑ نے عرض کیا "اے میرے آقا! کیا یہ بات جائز ہے کہ میں اپنے پاک ہاتھ نجس تحفوں اور پلید مال کی طرف پھیلاؤں؟"۔ آپؑ نے فرمایا "اے ابن اسحاق جو کچھ چمڑے کے تھیلے میں ہے باہر نکالو تا کہ حرام اور حلال میں تمیز کی جائے۔

(8) مجتہد اور ان کے مسائل تنقید سے بالاتر، اجتہادی غلطی پر بھی واجب سمجھ کر عمل ہوتا رہے گا

(9) عقائد جن پر اعمال کا دارومدار ہے۔ کو بالائے طاق رکھ کر تمام تر توجہ اور ترجیح فروعات پر مرکوز رکھی گئی۔ جبکہ حضرت علیؑ نے فرمایا "اصول کو ضائع کر کے فروع کو مقدم جاننا زوال کی دلیل ہے"۔ اگر ہمارے عقائد اصول ہی درست نہ ہوں تو فروعات بے فائدہ اور دل

کی تاریکی کا سبب بنتے ہیں۔ مثلاً رزق حلال ایک اصول ہے۔ اگر یہ اصول غلط ہے یعنی رزق ہی حرام ہے تو اس پر لاکھ دفعہ بسم اللہ پڑھئے لاکھوں حج کرنا اور اربوں کی زکوٰۃ دینا بھی یقیناً بے فائدہ ہوگی۔

حاصلِ بحث

1۔قلبی اور عملی طور پر مان لیا جائے کہ رسوؐل پاک کے ہاتھوں اللہ نے اسلام کی تکمیل کر دی تھی اور قرآن قیامت تک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

2۔قرآن میں ہر خشک وتر کی تفصیل موجود ہے۔ رسوؐل پاک نے اس کتاب (قرآن) کو پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی۔ امت کو قرآن، حقیقی علماء اہل الذکرؑ سے کما حقہ متعارف کرایا اور ان دونوں کو باقاعدہ امت کے سپرد کیا۔

3۔تمام احکام ومسائل منزل من اللہ الفاظ میں ہونے چاہئیں۔ علماء کیلئے لازم ہے کہ آیات واحادیث کا حوالہ دیں اور سائل بھی اپنے مسئلہ کیلئے آیات واحادیث کا حوالہ طلب کرے۔

4۔اطاعت اور تقلید صرف پوری کائنات کے حقیقی عالم معصومؑ کی ہوگی۔

5۔عقل رائے قیاس گمان ظن علم فقہ علم الرجال اجماع، علم درایت وغیرہ کو قرآن وحدیث پر حاکم رکھنے کے بجائے ماتحت رکھا جائے۔

6۔صرف اس شخص کو حاکم اور قاضی مقرر کیا جائے جو اللہ، رسوؐل و آئمہؑ کا حکم نافذ کرے۔ (اذا حکم بحکمنا) اپنے خیالات رائے بصیرت اور قیاس سے احکام نافذ نہ کرے۔ علم حاصل کرنا تمام مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ اس کی ترغیبت دی جائے۔

7۔سر دست منزل من اللہ حکم تک دسترس نہ ہو تو معصوم ہدایت معلوم ہونے تک خاموش

رہا جائے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ سے روایت ہے کہ:

۔''ہم ایک جماعت کی صورت میں امام محمدؑ باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضورؐ ہم سب ملک عراق جارہے ہیں ہمیں کچھ وصیت فرمادیجئے۔ امامؑ نے فرمایا کہ دیکھو تمہارے صاحبانِ اقتدار لوگوں کو چاہئے کہ وہ ضعیفوں اور کمزوروں کو طاقت ور اور مضبوط بناتے رہیں۔ اور تم میں جو لوگ غنی اور رؤساء و خود مکتفی لوگ ہوں۔ وہ فقیروں غریبوں اور محتاجوں کو آسودہ حال بنادیں۔ اور ہمارے نظام غیبت کے رازوں کو عام رابطہ نہ دینا۔ اور ہمارے نظام کو ہرگز شہرت نہ دینا۔ اور جب وہاں تمہارے سامنے ہماری ہدایات (احادیث) پہنچیں تو ان حدیثوں کو برسرکار لانا جن کی تائید میں تمہارے پاس ہماری بتائی ہوئی کم از کم ایک یا زیادہ آیات قرآن ہوں۔ اور جو احادیث ایسی ہوں کہ تمہارے پاس تائیدی آیات نہیں ہیں۔ ان کو برسرکار لانے سے رک جانا۔ اور ہم سے ان پر آیات طلب کرنا اور جب تک ہماری طرف سے قرآنی تفصیلات نہ وصول ہوجائیں کوئی اقدام نہ کرنا۔ اور یہ سمجھ رکھو اور اسی اصول پر عمل کرتے چلے جاؤ کہ ہمارا حقیقی غلبہ اور کھلا نظام قائم ہونے تک جو شخص غلط اقدامات کو روکے رہے اور انتظار میں زندگی گزارے وہ اس شخص کے برابر ثواب کا حقدار ہے جو مستقلاً روزہ دار رہے۔ اور جو شخص اس نظام کو قائم کرنے اور برسرکار لانیوالےؑ کے ساتھ مل کر اٹھے اور ان کے مخالف محاذ سے جنگ آزما اور زندہ رہے۔ اس کا ثواب بیس شہیدوں کے برابر ہے۔ اور جو اس طرح قتل ہوجائے وہ پچیس شہداء کا ثواب پائے گا''۔ (کمرئی جلد 3 صفحہ 336) (ظفری جلد 2 صفحہ 245)

ایک سوال: اکثر کہا جاتا ہے کہ اگر انسان بیمار ہو جائے تو علاج کیلئے اُسے ڈاکٹر یا متعلقہ سپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیئے بعینہٖ دینی مسائل کے حل کیلئے دین کے مسائل کے Expert یعنی مجتہد سے رجوع کرنا چاہیئے۔

مندرجہ بالا معلومات فراہم کرنے کے بعد اس کے جواب کی چنداں ضرورت نہیں۔ پھر بھی قارئین سے عرض کریں گے کہ دینی مسائل کے حل کے لئے اگر اللہ و رسولؐ و امام سے اجتہاد کی سند ملتی ہے تو یقیناً مجتہد حضرات ہی سے رجوع کرنا چاہیئے۔ اور پھر اگر اس نظام میں اللہ رسولؐ و امامؑ کی طرف سے اجازت نہیں بلکہ ممانعت ملتی ہو تو جس طرح علاج ہمیشہ مستند ڈاکٹر یا حکیم سے کروانا چاہیئے کسی عطائی یا غیر سند یافتہ ڈاکٹر سے علاج کرنا بہت بڑی حماقت اور خطرۂ جان ہے اسی طرح نظامِ اجتہاد میں واضح نصوص کی نافرمانی کی بنا پر خیر کی کوئی امید نہیں بلکہ علمِ حقیقی سے دوری اور شکوک و شبہات کی گہری تاریکیاں ہیں۔

حجتِ قاطع

اجتہاد و مجتہد کی حقیقت، امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے کلام سے ملاحظہ فرمائیں:

خطبہ نمبر 17 (نہج البلاغہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّ اَبۡغَضَ الۡخَلَائِقِ اِلَى اللّٰهِ رَجُلَانِ؛ رَجُلٌ وَّكَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى نَفۡسِهٖ؛فَهُوَ جَائِرٌ عَنۡ قَصۡدِ السَّبِيۡلِ؛مَشۡغُوۡفٌ بِكَلَامِ بِدۡعَةٍ وَّ دُعَآءِ ضَلَالَةٍ؛فَهُوَ فِتۡنَةٌ لِّمَنِ افۡتَتَنَ بِهٖ؛ضَالٌّ عَنۡ هَدۡىِ مَنۡ كَانَ قَبۡلَهٗ؛مُضِلٌّ لِّمَنِ اقۡتَدَى بِهٖ فِىۡ حَيَاتِهٖ وَ بَعۡدَ وَفَاتِهٖ؛حَمَّالٌ خَطَايَا غَيۡرِهٖ؛رَهۡنٌ بِخَطِيۡئَتِهٖ؛وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهۡلاً؛مُوۡضِعٌ فِىۡ جُهَّالِ الۡاُمَّةِ؛غَارٌّ فِىۡ اَغۡبَاشِ الۡفِتۡنَةِ:عَمٍ بِمَا فِىۡ عَقۡدِ الۡهُدۡنَةِ؛ قَدۡ سَمَّاهُ اَشۡبَاهُ النَّاسِ عَالِمًا وَّ لَيۡسَ بِهٖ؛ بَكَّرَ فَاسۡتَكۡثَرَ مِنۡ جَمۡعٍ مَا قَلَّ مِنۡهُ خَيۡرٌ مِمَّا كَثُرَ؛حَتّٰى اِذَا ارۡتَوٰى مِنۡ مَّآءٍ اٰجِنٍ؛وَ اكۡتَنَزَ مِنۡ غَيۡرِ طَائِلٍ؛ جَلَسَ بَيۡنَ النَّاسِ قَاضِيًا؛ ضَامِنًا لِتَخۡلِيۡصِ مَا الۡتَبَسَ عَلٰى غَيۡرِهٖ؛فَاِنۡ نَّزَلَتۡ بِهٖ اِحۡدَى الۡمُبۡهَمَاتِ هَيَّاَ لَهَا حَشۡوًا رَّثًّا مِّنۡ رَّاۡيِهٖ ثُمَّ قَطَعَ بِهٖ؛فَهُوَ مِنۡ لَّبۡسِ الشُّبُهَاتِ مِثۡلِ نَسۡجِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ؛ لَا يَدۡرِىۡ اَصَابَ اَمۡ اَخۡطَاَ؛فَاِنۡ اَصَابَ خَافَ اَنۡ يَّكُوۡنَ قَدۡ اَخۡطَاَ؛وَ اِنۡ اَخۡطَاَ رَجَا اَنۡ يَّكُوۡنَ قَدۡ اَصَابَ؛ جَاهِلٌ خَبَّاطُ جَهَالَاتٍ؛ عَاشٍ رَّكَّابُ عَشَوَاتٍ؛ لَمۡ يَعَضَّ عَلَى الۡعِلۡمِ بِضِرۡسٍ قَاطِعٍ؛ يُذۡرِى الرِّوَايَاتِ اِذۡرَآءَ الرِّيۡحِ الۡهَشِيۡمَ؛ لَا مَلِىۡءٌ وَاللّٰهِ بِاِصۡدَارِ مَا وَرَدَ عَلَيۡهِ؛ وَ لَا هُوَ اَهۡلٌ لِمَا فُوِّضَ اِلَيۡهِ؛ لَا يَحۡسَبُ الۡعِلۡمَ فِىۡ شَىۡءٍ مِمَّا اَنۡكَرَهٗ؛ وَ لَا يَرٰى اَنَّ مِنۡ وَّرَآءِ مَا بَلَغَ مَذۡهَبًا لِغَيۡرِهٖ؛ وَ اِنۡ اَظۡلَمَ عَلَيۡهِ اَمۡرٌ اكۡتَتَمَ بِهٖ لِمَا يَعۡلَمُ مِنۡ جَهۡلِ نَفۡسِهٖ؛ تَصۡرُخُ مِنۡ

جَوْرِ قَضَآئِہِ الدِّمَآءُ؛ وَتَعِجُّ مِنْہُ الْمَوَارِیْثُ اِلَی اللّٰہِ اَشْکُو مِنْ مَّعْشَرٍ یَعِیْشُوْنَ جُھَّالًا؛ وَّ یَمُوْتُوْنَ ضُلَّالًا؛ لَیْسَ فِیْھِمْ سِلْعَۃٌ اَبْوَرُ مِنَ الْکِتٰبِ اِذَا تُلِیَ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ؛ وَ لَا سِلْعَۃٌ اَنْفَقُ بَیْعًا وَّ لَا اَغْلٰی ثَمَنًا مِّنَ الْکِتٰبِ اِذَا حُرِّفَ عَنْ مَوَاضِعِہٖ؛ وَلَا عِنْدَھُمْ اَنْکَرُ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَ لَا اَعْرَفُ مِنَ الْمُنْکَرِ؛

یقیناً ساری مخلوقات میں دو ہی شخص ایسے ہیں جو اللہ کے یہاں سب سے زیادہ قہر و غضبِ خداوندی کے مستحق ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ نے ڈھیل دے کر اُس کے نفس کو اُس پر وکیل بنا دیا ہے اور اپنی وکالت سے خارج کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ وہی شخص ہے جس نے راست روی کو خیر باد کہہ کر بے راہ روی کا پختہ ارادہ و انتظام کر لیا ہے۔ وہ دین میں ایجادات کرنے اور گمراہی پھیلانے کی تحریک میں تن من دھن سے مشغول ہو گیا ہے۔ وہ شخص ہر اُس آدمی کے لئے مجسم فتنہ اور آزمائش ہے جو اس کی فتنہ انگیز تحریک میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ اُس ہدایت سے گم گشتہ ہے جو اُس سے قبل کے لوگوں کو حاصل تھی۔ یعنی وہ سابقہ قریش کے نزدیک بھی گمراہ ہے۔ اور اُن تمام لوگوں کو گمراہ کرنے والا بھی ہے جو اُس کی زندگی میں یا اُس کے مرنے کے بعد اُس کی پیروی کریں۔ وہ دوسروں کی خطاؤں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے۔ اور خود اپنی اجتہادی خطاؤں میں رہن پڑا ہوا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جس نے جاہلیت کے تمام علوم اِدھر اُدھر سے جمع کر لئے۔ اور امت کے جاہلیت پسند لوگوں میں جاہلانہ علوم کی اشاعت کر رہا ہے۔ وہ فتنہ کی تاریک گہرائیوں میں اترتا چلا جا رہا ہے۔ یعنی جاہلیت کے علوم کو مستحکم کر رہا ہے۔ اسلامی امن و اصلاح کی تمام پابندیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ انسانوں سے مشابہ حیوانوں نے اُس شخص کا نام ''عالم'' رکھ دیا ہے حالانکہ وہ عالم نہیں ہے۔ وہ علی الصباح بیدار ہو کر ایسے قوانین و قواعد

کثرت سے جمع کرتا رہتا ہے جن کا کم سے کم ہونا ان کی کثرت سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ان باطل علوم وناکارہ قواعد وقوانین سے پوری طرح سیراب ہو چکتا ہے۔ اور مجتہدانہ نصاب کا ذخیرہ اپنے یہاں جمع کر چکتا ہے۔ تو وہ نہایت ذمہ دارانہ انداز میں لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے مسند فتویٰ پر جلوہ افروز ہو جاتا ہے۔ اور اُن تمام معاملات کو خالص اور واضح انداز میں بتانے کی ضمانت لیتا ہے جو دوسروں کی نظر میں اُلجھے ہوئے مسائل ہیں۔ چنانچہ جب اُس کے رُوبرو کوئی الجھا ہوا مسئلہ آتا ہے تو وہ اُس کو حل کرنے کے لئے اپنی رائے اور قیاس واجتہاد کی حاشیہ آرائی کو موزوں کر کے ایک یقینی فیصلہ کر دیتا ہے۔ اس قیاسی واجتہادی حاشیہ آرائی کے ہر مرحلہ میں وہ شکوک وشبہات میں اس طرح لپٹ جاتا ہے جیسا کہ ایک مکڑی خود اپنے جالے میں الجھی رہتی ہے۔ وہ حقیقی ومادی دلائل سے یہ نہیں جانتا کہ وہ اجتہادی فیصلے میں حق تک پہنچا ہے یا خطا کر گیا ہے۔ چنانچہ اگر اس کا مجتہدانہ فیصلہ برحق بھی ہو تو اسے یہ خوف لگا رہتا ہے کہ شاید وہ خطا کر گیا ہو۔ اور اگر اُسے خود اپنی خطا معلوم ہو تو یہ امید کرتا ہے شاید وہ فیصلہ حق کے مطابق نکل جائے۔ حق وصدق کے نزدیک وہ ایک جاہل ہے اور جہالتوں کے خبط میں مبتلا ہے۔ خود بھی دین حقہ سے اندھا ہے اور سواری بھی اندھے جانوروں پر کرتا ہے۔ کبھی اُسے علم حقیقی سے واسطہ نہیں پڑا اور کبھی اُسے حقائق کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نہیں ہوئی۔ بلکہ قیاس اور اوہام ہی میں مبتلا رہا۔ وہ احادیث رسولؐ کو اس طرح بکھیر کر اڑا دیتا ہے۔ جس طرح ہوا تنکوں اور خشک پتوں کو اُڑا کر منتشر کرتی رہتی ہے۔ قسم بخدا کہ وہ شخص نہ تو علم سے اس قدر لبریز ہے کہ اُن مسائل ومشکلات کو حل کر سکے جو اُس کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ اُس بلند مقام کا اہل ہے جو اس کو سونپا گیا ہے۔ وہ تو اتنا نا معقول ہے کہ جس چیز کا اُسے پتا نہیں ہے اُسے علم سے خارج سمجھتا ہے۔

یعنی جس قدر وہ جانتا ہے علم بس اتنا ہی ہے۔ وہ یہ مانتا ہی نہیں ہے کہ جہاں تک اُس کی معلومات کی رسائی ہے اُس سے آگے بھی کوئی جا سکتا ہے۔ اگر اُس کو کوئی بات گنجلک یا اُلجھی ہوئی معلوم ہوتی ہے تو اُسے چھپائے رکھتا ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے وہ درحقیقت جاہل اور جھوٹا ہے اور نہیں چاہتا کہ لوگ بھی اُسے جاہل سمجھیں۔ ناحق بہائے ہوئے خون اُس کے ظالمانہ فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں۔ غیر مستحق لوگوں میں بھیجی ہوئی میراثیں چلّا رہی ہیں۔ میں اللہ سے اُن لوگوں کا شکوہ کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جو بڑے اطمینان سے جہالت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور جو گمراہی کی موت مر رہے ہیں۔ اُن میں قرآن سے زیادہ اور کوئی بے قدر و قیمت چیز نہیں ہے جب کہ اُسے اُسی طرح پڑھا جائے جس طرح اللہ نے نازل کیا تھا۔ اور اِس قرآن سے زیادہ اُن میں اور کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں ہے جب کہ اُس کے الفاظ اور مفاہیم کو بدل بدل کر اُن کی تائید میں پڑھا جائے۔ اُن کی پالیسی کے خلاف نیکی سے بُری اور کوئی بات نہیں ہے اور پالیسی کے حق میں رہنے والی بُرائی سے کوئی نیکی اچھی نہیں ہے۔

خطبہ نمبر 18 (نہج البلاغہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تَرِدُ عَلٰی اَحَدِھِمُ الْقَضِیَّۃُ فِیْ حُکْمٍ مِّنَ الْاَحْکَامِ فَیَحْکُمُ فِیْھَا بِرَاْیِہٖ؛ ثُمَّ تَرِدُ تِلْکَ الْقَضِیَّۃُ بِعَیْنِھَا عَلٰی غَیْرِہٖ یَحْکُمُ فِیْھَا بِخَلَافِہٖ؛ ثُمَّ یَجْتَمِعُ الْقُضَاۃُ بِذٰلِکَ عِنْدَ الْاِمَامِ الَّذِی اسْتَقْضَاھُمْ فَیُصَوِّبُ اٰرَآئَھُمْ جَمِیْعًا؛ وَ اِلٰھُھُمْ وَاحِدٌ؛ وَّ نَبِیُّھُمْ وَاحِدٌ؛ وَّ کِتَابُھُمْ وَاحِدٌ؛ اَ فَاَمَرَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِالْاِخْتِلَافِ فَاَطَاعُوْہُ؟ اَمْ نَھَاھُمْ عَنْہُ فَعَصَوْہُ؟ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ دِیْنًا نَاقِصًا فَاسْتَعَانَ بِھِمْ عَلٰی اِتْمَامِہٖ؟ اَمْ کَانُوْا شُرَکَآءَ لَہٗ فَلَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا وَ عَلَیْہِ اَنْ یَّرْضٰی؟ اَمْ اَنْزَلَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ دِیْنًا تَامًّا فَقَصَّرَ الرَّسُوْلُ (صل اللّٰہ علیہ و آلہٖ) عَنْ تَبْلِیْغِہٖ وَ اَدَآئِہٖ؟ وَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ یَقُوْلُ: مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ؛ (انعام 6/38) وَ قَالَ: فِیْہِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ؛ وَ ذَکَرَ اَنَّ الْکِتَابَ یُصَدِّقُ بَعْضُہٗ بَعْضًا؛ وَ اَنَّہٗ لَا اخْتِلَافَ فِیْہِ؛ فَقَالَ سُبْحَانَہٗ: وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا؛ (4/82) وَ اِنَّ الْقُرْاٰنَ ظَاھِرُہٗ اَنِیْقٌ؛ وَ بَاطِنُہٗ عَمِیْقٌ؛ لَا تَفْنٰی عَجَائِبُہٗ؛ وَ لَا تَنْقَضِیْ غَرَائِبُہٗ وَ لَا تُکْشَفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّا بِہٖ؛

نظام اجتہاد کے حکمرانوں یا قاضیوں میں سے کسی بھی ایک حکمران یا قاضی کے پاس دین کے احکام سے متعلق کوئی معاملہ فیصلے یا حکم کے لئے پیش ہوتا ہے تو وہ حکمران یا قاضی اُس معاملہ کا اپنی مجتہدانہ رائے سے فیصلہ کر دیتا ہے۔ پھر وہی معاملہ، مع اُس فیصلے کے، دوسرے حکمران یا قاضی کے پاس، نظرِ ثانی کے لئے، پیش کیا جاتا ہے چنانچہ دوسرا حکمران یا قاضی پہلے فیصلے کے خلاف فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔ پھر وہ دونوں قاضی یا قاضیوں کے فیصلے اُس امام کے سامنے پیش کئے

جاتے ہیں جس نے اُن قاضیوں یا حکمرانوں کو اس عہدے پر تعینات کیا ہے اور وہ امام دونوں قاضیوں کے اجتہادی فیصلوں کو درست قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اور اُن سب کا معبود بھی ایک ہے۔اور اُن کا نبیؐ بھی ایک ہے۔اور اُن کی کتاب بھی ایک ہی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اختلاف کرنے کا حکم دیا تھا جو وہ اختلاف کرکے اس کی تعمیل واطاعت کر رہے ہیں؟ یا اُنہیں اختلاف کرنے سے منع کیا تھا اور وہ اس کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ یا اللہ پاک نے ایک ناقص دین نازل کیا تھا اور اُن سے اس دین کو مکمل کرنے میں مدد چاہی تھی؟ اور وہ مدد کر رہے ہیں؟ یا وہ اللہ کے ساتھ حصہ دار ہیں کہ وہ جو چاہیں کہیں اور اللہ پر واجب ہے کہ وہ قبول کرتا رہے؟ اور اُن کی تعمیل کرتا رہے۔ یا اللہ نے تو دین کو مکمل نازل کیا تھا مگر رسولؐ نے دین کی تبلیغ میں اور اُسے پوری طرح ادا کرنے میں کمی اور کوتاہی کی تھی؟ اور اللہ پاک نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ ''ہم نے قرآن میں کسی قسم کی اور کسی چیز کی بالکل کمی نہیں کی ہے''۔اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن میں ہر ہر چیز کا باقاعدہ بیان کر دیا گیا ہے۔اور یہ ذکر بھی کر دیا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن میں ہرگز اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ اُس ذات پاک نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کثرت سے اختلاف پائے جاتے''۔ یقیناً اس قرآن کی ظاہری صورت و معنی بڑی احتیاط سے حسین ترتیب رکھتے ہیں۔اور قرآن کا پس منظر لا انتہا گہرا ہے۔ اِس کے عجائبات فنا ہونے والے نہیں ہیں۔ اِس کے بے بہا حقائق کبھی اختتام پذیر ہونے والے نہیں ہیں اور اگر قرآن سے مدد نہ لی جائے تو تاریکیاں کبھی روشنی میں نہ آئیں گی۔''

غیبت کبریٰ میں ہدایت و تقلید

قارئین کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ مذہب شیعہ یا ملت شیعہ میں نظام اجتہاد یا مجتہد کا وجود 280 ھ تک نہیں ملتا۔ حضرت قائم آلِ محمدؐ 255 ھ میں مادی طور پر اس دنیا میں تشریف لائے، حضرت امام عسکریؑ کا انتقال 260 ھ میں ہوا، غیبت صغریٰ کا عرصہ تقریباً 74 برس ہے۔ اور غیبت کبریٰ 329 ھ سے شروع ہوئی۔

اجتہاد کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ غیبت امامؑ کی وجہ سے علم خداوندی کا درواز بند ہو گیا۔ محمدؐ وآل محمدؐ سے رابطہ منقطع ہو گیا ہے اب معصوم راہنمائی انسانی دسترس سے باہر ہے۔ اب دین کو سمجھنے کے لئے قرآن وحدیث کا سہارا رہ گیا ہے۔ ان دونوں میں متشابہات، منسوخات، مجملات، عمومات، مخصوصات ومقیدات ومطلقات بھرے پڑے ہیں۔ ان دونوں سے حتمی اور یقینی علم حاصل کرنے کے لئے اصول فقہ، علم الدرایت، علم الرجال ومنطق وغیرہ اجتہادی علوم وقواعد کی احتیاج ہے۔ لہٰذا امت کو مجتہدین سے رجوع کرنا ہوگا۔ مجتہد حضرات قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر غور وفکر کرتے ہیں نہایت نیک نیتی اور دینی خلوص کے ساتھ ان مسائل اور ضروریات انسانی پر غور کرتے ہیں جو ہر زمانہ میں مسلمانوں، شیعوں، سنیوں یا دیگر انسانوں کو پیش آنے والی ہیں قرآن وحدیث سے استنباط کر کے جو فیصلہ یا حکم وہ لوگوں کو دیں گے ان کا وہ حکم واجب الاتباع، واجب التعمیل ہوگا اور خلاف ورزی جرم اور سزا دی جانا لازم ہوگی۔ ان کا حکم خدا اور رسولؐ کا حکم ہوگا۔ اور وہ حکم خواہ وہ اس وقت غلط معلوم ہو یا صحیح لگے ہر حال میں واجب الاطاعت ہوگا۔ خلاف ورزی کرنے والا مجرم دونوں جہاں میں سزا کا حق دار ہوگا۔ اور جو مجتہد کی تقلید کے بغیر نیک عمل بھی کرے اللہ کے یہاں وہ نماز روزہ حج

زکوٰۃ وغیرہ حرام ومردود ہوں گے۔

ان مجتہد حضرات نے امام عصر والزمان علیہ السلام کو عوام کی نظر میں اس طرح غائب کر کے پیش کیا ہے۔ کہ اب امام زمانہؑ کا ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہو کر رہ گئے۔ یعنی وہ حضرتؑ موجود ہوں تب بھی ان سے نوع انسان کو کوئی محسوس فائدہ نہیں ہے۔ اور موجود نہ ہوں تب بھی کوئی نقصان یا حرج نہیں ہے۔ نہ انؑ سے رابطہ قائم کرنے کی صورت ہے نہ ملاقات و پرسش سوالات وحالات ممکن ہے۔

تعلیماتِ خداوندی منقطع نہیں ہوئیں۔ معصوم راہنماؑ موجود ہے

غیبت صغریٰ ہو یا غیبت کبریٰ ہو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی حکومت وقت خلافت عباسیہ کے ظلم اور خوف وہراس کی وجہ سے امامؑ نے غیبت کبریٰ اختیار کی تھی۔ عزازیل کا حضرت آدمؑ کو سجدہ سے انکار کر کے ابلیس بننا اور جواب دینا کہ میں آدمؑ سے زیادہ صاحب اختیار ہوں عالینؑ کا اس سجدہ سے مستثناء ہونا یہ سارا واقعہ یا حادثہ پردہ غیبت میں ظہور پذیر ہوا۔ وہ عالینؑ اس وقت کے بعد بھی غیبت کبریٰ یا غیبت کلیہ میں رہے۔ یہاں تک کہ آدمؑ کو ملائکہ پر علمی بزرگی دینے والے ناموں کو پردہ غیبت سے نکل نکل کر مادی وجود اختیار کرنے کی محمدیؐ ابتدا ہوئی۔ لہٰذا غیبت کبریٰ سے کائنات کی ابتدا ہوئی اور غیبت کبریٰ ہی پر کائنات کا اختتام ہوگا۔

اس غیبت کا اعلان بھی روزِ ازل سے ہوتا چلا آ رہا تھا۔ پہلے آنحضرتؐ اور علی مرتضٰی علیہ السلام اور پھر تمام آئمہ ھدیٰ صلوٰۃ اللہ علیھم السلام نے بھی اس کی خبر دی تھی اور یہ بتایا اور ریکارڈ میں ضبط کیا جا چکا تھا کہ بارھواں امامؑ غیبت اختیار کرے گا۔ یہ ایک ایسی

بات تھی جس سے ہر قسم کے مادی سربراہ اور دشمن محاذ پر لرزہ طاری ہوتا تھا۔ کہ ایک روز دنیا پر غیبت یعنی زیرزمین نظامِ ہدایت برسرِ کار آنا ہے۔ شیطان اور اس کے آلہِ کار لوگوں کے لئے وہ کیسا خوفناک ولرزہ خیز ہوسکتا ہے؟ جب تمام اصلاحی قوتیں اور قدرتیں مرکزی حیثیت سے درپردہ غائبانہ اپنے مخالفین پر حملہ آور ہوجائیں گی۔ جب امامؑ غائب مادی قیود و مادی تخریب سے آزاد ہوکر انسانوں کی راہنمائی اور مخالف محاذ کی تباہی کا حکم نافذ کردے گا۔ اور کائنات کو عدل وانصاف کا گہوارہ بنادے گا۔ اس نظام کی تیاری تمام سابقہ آئمہؑ کراتے چلے آرہے تھے۔ یہ کوئی اچانک حادثہ نہ تھا۔ یہ بڑی سنجیدگی سے تیار کی ہوئی پالیسی تھی۔ کربلا کے قتل عام کے بعد خانوادۂ نبوّت نے اصلاح حال کی مختلف راہیں نکالنے کا پروگرام چلایا تھا۔ آئمہ علیہم السلام کے معصومؑ سلسلے کے چوتھے امامؑ سے لے کر آخری امامؑ کی پیدائش تک ان حضراتؑ نے ملکی سیاست سے قطعاً علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ حالات کے ساتھ ساتھ ان حضراتؑ نے منظر عام پر خود آنا چھوڑ دیا تھا۔ قید و بند اور حکومتوں کے تشدد نے انہیں پبلک سے دور کردیا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے اس غیبت کی ابتداء ہوئی ہے۔ جس میں آئمہ اہل بیت علیہم السلام پبلک سے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ ان حضراتؑ سے ملنا، باتیں کرنا اور راہ رسم رکھنا جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ لہٰذا سابقہ ادوار میں آئمہؑ کی مرضی کے خلاف انہیں غائب رکھنے اور غائب رہنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ اس جبر کو توڑنے اور ملت سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے سابقہ اماموںؑ نے اپنے لئے ایک ایسا نظام قائم کرلیا تھا۔ جس میں وہ اپنی آواز ملک کے دور دراز شہروں اور آبادیوں تک پہنچاسکتے تھے۔ انہوں نے اپنے وکیلوں ،سفیروں

اور وزیروں کا ایک ایسا بے رنگ سلسلہ قائم کر دیا تھا۔ جس میں ہر سائز کے علماء، دانشور، فلاسفر اور سیاستدان حکماء اور فقراء وادیب وشعرا تیار کر کے پھیلا دئے تھے۔ وہ خود خواہ آزاد ہوں یا قید اور جیلخانہ کی چار دیواری میں بند ہوں۔ ان کے احکام کو روک دینا ناممکن تھا۔ اور چونکہ یہ سلسلہ بے رنگ تھا۔ اس لئے وہ جہاں جس رنگ کی ضرورت پڑتی تھی۔ اسی رنگ کا ظرف اختیار کر لیتا تھا۔ اپنا رنگ نہ بدلتا تھا۔ مگر ہر رنگ میں دیکھنے والوں کو دکھائی دیتا تھا۔ یعنی یہ سلسلہ آنے والی غیبت کی مشق کرنے میں مصروف تھا۔

حضور قائم آل محمدؐ کی دنیا میں مادی طور پر آمد سے لے کر غیبت کبریٰ تک چھ خلفائے بنی عباس گزرے اور ان سب کے وزراء بھی شیعہ رہے۔ اور اس پورے دور میں مذہب شیعہ کی تائید اور اولادِ علیؑ کے ساتھ احترام واکرام واحسان کا سلوک جاری رہا۔ حضورؐ کو حکومتوں کی طرف سے کوئی خطرہ پیش نہ آیا (منتخب التواریخ) لہٰذا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ سرکار حجتؐ حکومتوں کی سختیوں سے بے بس ہو گئے تھے اور کوئی ایسا طریقہ باقی نہ رہ گیا تھا جس کو اختیار کر کے آنحضرتؐ اپنے آباؤ اجداد اور سابقہ آئمہ علیھم السلام کی طرح نظامِ ہدایت وتقلید نہ چلا سکتے تھے۔ یا حضورؐ قید و بند برداشت نہ کر سکتے تھے؟ یا قتل ہو جانے سے ڈرتے تھے۔ اس لئے (معاذ اللہ) حضورؐ نے تمام راہیں بند دیکھ کر اس دنیا وغیرہ سے مستقل علیحدگی اختیار کر لی۔ اپنے تمام چاہنے والے فداکاروں کو نرغہ اعداء میں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے کسی غار میں غائب ہو گئے۔ پوری ملت شیعہ اور ساری امت مسلمہ اور تمام اقوام عالم کو ان کے حال پر چھوڑ کر شیطان کے لئے میدان ہموار کر دیا کہ وہ جس طرح چاہے نوعِ انسان کو گمراہ کرتا رہے۔ اور اس طرح انسانوں پر اتمام حجت کرنے

اور اللہ کی طرف سے ان پر حجۃ قائم رکھنے کے بجائے پوری نوع انسان کو اپنے اوپر حجت بنالیا۔ حالانکہ آپؑ، شیطان سے اور اس کے قائم کردہ نظامہائے حیات سے تمام انسانوں کو محفوظ رکھنے کے ذمہ دار تھے۔

حضرت قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا ہوتے ہی روح القدس کی تحویل میں عرش خداوندی پر پہنچانا ہماری احادیث میں موجود ہے۔ ان کی مخصوص تربیت کا تقاضہ تھا کہ ان حضرتؑ کو لوگوں کی نظروں سے الگ رکھا جائے۔ انہوں نے جس مافوق الفطرت فطرت پر تیار ہونا تھا۔ وہ لوگوں کی نظروں کے سامنے ناممکن تھی۔ جس نے چند روز میں پوری قد وقامت اختیار کرنا ہو اسے اس مادی دنیا سے دور رکھنا ضروری تھا۔ بہرحال جس غیبت کو غیبت صغریٰ کہتے ہیں۔ وہ بھی حکومت وقت کے خوف سے واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ چوہتر (74) سال کا وہ زمانہ ہے۔ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت تک موجود رہنے، پوری کائنات کو زیرِ نظر رکھنے اور اس طویل زمانہ میں نظام ہدایت وتقلید کو مخصوص انداز میں چلانے اور قائم کرنے کا انتظام فرماتے رہے ہیں۔ آپؐ نے اس دوران اپنے والد محترم امامؑ یازدھم کا قائم کردہ نظام بحال رکھا۔ اپنی طرف سے انہوں نے تصدیق کے سوا کوئی نظام جاری نہیں کیا۔ جن حضرات کو نائبین امامؑ کہا جاتا ہے۔ وہ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کا قائم کردہ پرانا سلسلہ تھا۔ جو سابقہ مقررہ طریقہ پر اپنا جانشین خود مقرر کرتا چلا آرہا تھا۔ آپ نے اس قدیم نظام کو بتدریج غائبانہ اور اپنے خفیہ (UNDER GROUND) نظام سے وابستہ کیا، نئے اراکین تیار کیئے اور تکمیل ہوتے ہی سابقہ تمام نائبوں کو آئندہ نائب مقرر کرنے سے روک دیا۔ اور یہیں سے وہ غیبت شروع ہوئی جس کو

غیبتِ طویلہ یا غیبتِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔

ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے غیبت کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ اس وقت کے شیعہ قلبی ہم آہنگی کے ساتھ حضورؐ کی اتباع اور معاہدۂ یوم الست کو پورا نہ کرتے تھے۔اور جیسا کہ تواریخ سے واضح ہے کہ 280ھ میں مذہب شیعہ میں خود ساختہ قوانین کا نظام باقاعدہ در آیا تھا۔اس نظام کو حضورؑ اپنی آڑ میں چھپنے کا موقع نہ دینا چاہتے تھے وہ نہ چاہتے تھے کہ اس نظام کے خود ساختہ اور نام نہاد اسلامی حکومت کے احکام اپنی معصوم سند سے نافذ ہونے دیں۔وہ چاہتے تھے کہ ایسے نام نہاد علماء اور ان کی تقلید کرنے والے شیعوں کو شیعان اہل بیتؑ سے الگ کرلیں۔اور ان خبیث وملعون علماء کو محروم و ناکام کرنے کیلئے نظام غیبت قائم کرنے پر آمادہ ہوئے تھے۔

اللہ رسولؐ و امام زمانہؑ سے رابطہ و استفادہ کی راہیں کھلی ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

-"قائم آل محمدؐ علیہ السلام کے لئے دو غیبتیں ہیں۔ان میں سے ایک چھوٹی ہے اور دوسری لمبی ہے۔پہلی غیبت کے دوران ان کے رہنے کے مکان سے سوائے ان کے خاص شیعوں کے کوئی اور واقف نہ ہو سکے گا۔اور دوسری غیبت کے دوران بھی کوئی شخص ان کے ٹھکانے کو نہ جان سکے گا۔سوائے انؑ کے مخصوص موالیوں کے"۔

(کتاب کافی باب فی الغیبة

ایک اور حدیث میں وارد ہے (لَنا اِلْقَاء الاصُولِ وَلَکُمُ التَّفرِیع)۔

"ہم پر لازم ہے کہ ہم تمہیں بنیادی اصول بتاتے رہیں۔اور تم پر واجب ہے کہ تم

ان بنیادی اصولوں کی تشریح و تفصیل کر کے بتاتے رہو“۔

خود امام عصر علیہ السلام نے واضح کیا ہے کہ:۔”اگر ہمارے شیعہ قلبی ہم آہنگی کے ساتھ ہمارے چاروں طرف جمع ہو جاتے۔اور اُس معاہدہ کو پورا کرتے جو اُن سے لیا گیا تھا۔تو بہت جلد ہماری ملاقات کے مرتبہ تک پہنچتے اور ہمیں دیکھنے کے نتیجے میں سعادت ان کی طرف بڑھ کر پہنچتی اور جس چیز کی وجہ سے ہم ان سے پوشیدہ ہیں وہ اُن کے وہ اعمال ہیں جو ہم تک پہنچتے ہیں۔جن سے ہمیں کراہت و ناگواری ہوتی ہے۔اور جو ہمیں ناپسند ہیں۔اور ہم شیعوں سے ایسے بُرے اعمال کے لئے انتظار نہیں کرتے۔لہٰذا ہم اللہ سے مدد کے خواستگار ہیں۔خدا ہمیں کافی ہے۔اور بہترین وکیل ہے۔اور اللہ ہمارے سیّد و سردار بشیر و نذیر رسولؐ پر اور اُن کی پاک و پاکیزہ آلؑ پر درود و سلام بھیجے۔
لکھنے کی تاریخ ماہ شوال کی آخری تاریخ 412 ہجری“۔(کتاب احتجاج طبرسی و نجم ثاقب)

غیبت کبریٰ میں ھدایات و تقلید کیسے اور کس کی؟

ہدایات کی فراہمی اللہ، انبیاءؑ اور آئمہ کی ذاتی ذمہ داری ہے۔اللہ نے بوقت تخلیق ہر مخلوق کی ہدایت کا انتظام رکھا (20/50) پھر مسلسل تا حیات ہدایات بھیجتے رہنے کا اعلان کیا (مومنون 23/44، طٰہٰ 20/123) اور طرح طرح سے ہدایات کی ترسیل پر قرآن میں بیانات دیئے اور تصدیق کی کہ ہر رسولؐ نے بڑی محنت اور جانفروشی کے ساتھ ہدایاتِ خُداوندی پہنچائیں (کہف 18/6، شعرا 26/3) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے کروڑوں سال پہلے ایک ادارۂ غیبت یا نظامِ غیبتِ کُلیہ کے ذریعہ سے ہر مخلوق کی ہدایت کا انتظام فرمایا (عمران 3/83) اس ادارہ غیبت کے سربراہؑ کو تمام کائنات پر رحمت بنا کر پھیلا

دیا (انبیاءؑ 21/107) اور اس پوشیدہ سربراہ کو کائنات کی ہر ہر چیز پر وسعت و قدرت عطا کر دی تھی (اعراف 7/156) پھر تخلیق انسانی کے بعد سربراہؑ نظامِ غیبت کلیہ کو ہر نبیؑ اور تمام امتوں کے تمام افراد پر نگران وہدایت کار بنایا تھا تا کہ جب پوری نوع اِنسانیت کا محاسبہ کیا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نظامِ غیبت کا ہر سربراہ ہر انسان کے خیال واقوال واعمال پر چشم دید گواہ کی صورت میں تصدیق یا تکذیب کریں (عمران 3/81، نسا 4/41) جو تمام کائنات کیلئے نذیر رہتے چلے آئے (فرقان 25/1) یہاں تک کہ آپؐ کے نظامِ غیبت کی انسانی شاخ کو آخری تعلیمات ونعمات عطا کرنے کے لئے آپؐ کو شھود کی مادی صورت عطا کی گئی۔ نوع انسان کو علومِ کائنات، دائمیِ حیات اور تسخیرِ دوجہاں ولامحدود قدرت واختیار سونپنے کا عملی پروگرام پیش کیا گیا۔ لیکن رسولؐ کی قوم نے اس پروگرام کو ٹھکرا دیا (25/30 فرقان) اور اپنا ذاتی وقومی وملکی اجتہادی طریقہ رسولؐ کے خلاف جاری کر لیا (فرقان 28-25/27) اور ابلیس کو اپنا راہنما بنا لیا (فرقان 25/29) یہاں تک کہ کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ کربلا کے قتل عام کے بعد خانوادہ نبوتؐ نے اصلاح حال کی مختلف راہیں نکالنے کا پروگرام چلایا۔ بالآخر اسی نظام نے غیبت کلیہ اختیار کر لی جس کا اعلان روزِ ازل سے ہوتا چلا آ رہا تھا اور آنحضرتؐ اور آئمہ ھدیٰؑ نے بھی جس کی خبر دی تھی۔ لیکن ہدایت کی ترسیل از اول تا آخر تیز تر، وسیع تر اور سہل تر ہوتی چلی گئی۔ اس لئے کہ انسانوں پر حجتؐ خداوندی قائم رہے۔ غیبت کبریٰ ان تمام مادی پابندیوں کو مومنین کی راہ سے ہٹا دیتی ہے۔ جو کسی سربراہ نظام ہدایتؑ سے ملاقات پر عائد تھیں۔ یعنی اب طالب ہدایات کو مکہ مدینہ یا سامرہ جا کر ملاقات کرنے اور سوالات کرنے کی احتیاج نہیں۔

وہ جہاں ہوں جس حال میں ہوں امام عصر علیہ السلام ان کے آس پاس ہی ہوتے ہیں ان کے قلوب واذھان میں گزرنے والے خیالات تک سے سابقہ آئمہؑ کی طرح مطلع ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر وہ واقعی سرکار علیہ السلام کے مقلد یا منتظر ہیں تو سرکارؑ انہیں ہدایات عطا فرمادیں گے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قائم آل محمدؐ، ہادیؑ دو جہاں راہنمائے کون و مکاں علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر طالبانِ ہدایت کو نوازتے چلے آرہے ہیں۔ اور اپنے آباؤ اجداد کے تمام معیار برقرار رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

(اللّٰھُمَ صلِّ علیٰ قائم آلِ محمدؐ و آبائہؐ و امھاتہؐ)

اس لئے غیبت صغریٰ ہو یا غیبت کبریٰ ان میں ترسیلِ ہدایت کا طریقہ الگ الگ سمجھنا یا اس کو زیرِ بحث لانا ایک فریب ہے۔ سوال یہ ہونا چاہئے تھا کی غیبت کبریٰ میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے سرکاؑر کے حضور جاسکیں گے یا نہیں؟ اس کے برعکس یہ اعلان کردیا کہ اب معصوم ہدایات بند ہوچکی ہیں۔ اور ہم علماء لوگ امامؑ کے نائب بن چکے ہیں اور اسلامی ہدایات شیعہ مجتہدین کے اجتہادات پر مبنی ہوں گی۔

معصوم ہدایات ملنے کا وہی قدیم طریقہ آج بھی موجود ہے

غیبت کے دور میں اسی قدیم طریقۂ ہدایت پر ثابت قدم رہنے کیلئے امام جعفر صاؑدق نے فرمایا:۔ زرارہؓ وحارث بن مغیرہؓ سے مروی ہے کہ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا۔ جب ان سے ان کا امامؑ پوشیدہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا اس وقت لوگوں کو کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا اپنے عقیدے پر قائم رہیں یہاں تک کہ ان کیلئے حق ظاہر ہوجائے''۔ (کمال الدین وتمام النعمۃ جلد 2 حدیث نمبر 44,47)

اسلام ایک مکمل دین ہے اور قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے ۔کائنات میں کوئی خشک وتر ایسی چیز نہیں جو قرآن کے احاطہ سے باہر ہو (6/59) یہاں تک کہ" کوئی بھی دو آدمی کسی بھی بات میں جو بھی اختلاف کرتے ہیں یا آئندہ کریں گے تو اس اختلاف کی اصل یا اختلاف کو مٹانے والا حل قرآن میں موجود ہے" (امام جعفر صادق علیہ السلام کافی کتاب فصل العلم باب الرد الی الکتاب والسنۃ حدیث 6)

قرآن کریم ہر اُس شخص کو کافر و ظالم و فاسق قرار دیتا ہے۔ جو انسانوں پر ایسے احکام وفتاویٰ اور فیصلے ٹھونسے جو اللہ کی طرف سے نازل نہ ہوئے ہوں (5/44-47) اور چونکہ قرآن کلام اللہ اور کلام رسوؐل کریم بھی ہے۔(حاقہ 69/41-42) اور آنحضرتؐ کی ہر بات وحی خُداوندی ہوتی ہے (نجم 53/2-4) اس لئے کلام اللہ وکلام معصومؑ کے الفاظ میں انسانوں کو ہر ہدایت وہر حکم و فیصلہ دیا جانا واجب ہے۔ اور خلاف ورزی کفر وظلم وفسق ہے

مزید یہاں تک کہ دینی احکام میں انبیاءؑ اور آئمہ ماکان و مایکون وما ھو کائن کا علم رکھتے ہوئے اپنی ذاتی رائے اور نظریہ سے کوئی فیصلہ کرنا جائز نہیں سمجھتے (ظفری جلد 1 صفحہ 64، شرح جلد اول صفحہ 100-101)

اور مومنین کے لئے حکم ہے کہ ان کے درمیان کوئی اختلاف مسئلہ یا تنازعہ کھڑا ہوگیا ہوتو انہیں اس تنازعہ کو اللہ رسوؐل اور اولی الامر کی طرف رد کرنا ہے اور ہر وہ حل جو ان تین ہستیوں کے بغیر ہوگا یقیناً غیر اسلامی اور باطل ہوگا۔

نظامِ غیبت میں بھی انتہائی اور اصولی ہدایت طالبین کو خود معصومؑ دے گا

امام عصر والزمان قائم آل محمدؐ سے رابطہ واستفادہ کی راہیں کھلی ہیں۔ مخصوص شیعہ اور مخصوص موالی آپؑ کا ٹھکانہ جانتے ہیں۔ آپؑ ہر موسم میں مشہود وظاہر موجود ہیں لوگوں کو دیکھتے ہیں لیکن لوگ انہیں نہ دیکھ سکیں گے (امام جعفر صادقؑ) حضور قائم آل محمدؐ سے ملاقات نہ ہوسکنے کی وجہ بھی خود حضورؑ نے شیخ مفید کے نام خط میں واضح فرمادی ہے۔

تمام مجتہدین کا زبانی اور تحریری مسلمہ ہے کہ امام معصومؑ خود براہ راست ہدایت بہم پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ مجتہد حضرات اپنی نیابت اور قیادت ثابت کرنے میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ **لنا القاء القول ولکم التفریع** ۔یا۔ **لنا القاء الاصول ولکم التفریع** (کتاب السّرائر اور تمام اجتہاد کے ثبوت والی کتابیں)

۔''ہم پر لازم ہے کہ تمہیں اپنے احکام سے وابستہ رکھیں اور تم اُن احکام کی تنفیذ وتفصیل کرو یا یہ کہ ہم تمہارے سامنے اپنے فرمان پیش کرتے رہیں اور تم موقع ومحل کے مطابق ان پر عمل کرتے رہو''۔

قارئین نوٹ کریں کہ لفظ القا کا مادہ ''ل۔ق۔ی'' ہے۔اسی سے آگے بڑھ کر اِلقَاءٌ بنتا ہے اس کا اولین مصدر ''لِقَاءٌ '' ہے اور لقاءٌ کے معنی ملنا، نظر آنا، زیارت، سامنے آنا ہیں ''القاء القول'' سامنے آکر بات کرنا ''القاء الاصول'' سامنے آکر اصول بتانا۔

واضح ہوگیا کہ ہر مسئلہ کے جواب میں آیت یا قول معصوم پیش کرنا لازم ہے۔اگر ضرورت ہو گی تو صرف وضاحت وتشریح کی جائے گی۔اور از خود اپنے پاس سے کوئی بات نہ کہی جائے گی۔اس حقیقت کی وضاحت کے لئے چند واقعات پیش کرتے ہیں۔

واقعاتِ ملاقات وحاصلِ ہدایات

(1) کتاب مفتاح الشفاعۃ صفحہ 231 پر علامہ حلی کی کرامات کا بیان سُنیں۔ چنانچہ کتاب میں علامہ حلّی کی کرامات بیان کرتے ہوئے ایک سفر کا حال لکھا ہوا ہے جس میں سرکار دو عالمؑ حضرت حجۃ علیہ السلام کا ملنا اور علامہ حلّی کا اُنہیں کوئی مسافر اور عالم سمجھ کر مسائل دریافت کرنا لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ ایک مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ اس شخص نے اپنا فتویٰ بیان کیا۔ علامہ حلّی نے اُسے غلط سمجھ کر انکار کیا اور کہا کہ: ''کوئی حدیث مطابق اس فتوے کے ہم نہیں رکھتے۔ اُس شخص نے کہا کہ ایک حدیث شیخ طوسی نے تہذیب میں ذکر کی ہے اور تم اپنی تہذیب میں اول سے اس قدر شمار کرو پس فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں یہ حدیث مذکور ہے''۔ علامہ متحیر ہوئے کہ یہ کون شخص ہے؟۔ لہٰذا اس شخص سے دریافت کیا کہ آیا اس زمانہ میں جب کہ غیبت کبریٰ کا دور ہے حضرت صاحب الامر علیہ السلام کو دیکھ سکتے ہیں؟ یا نہیں؟ اور اچانک علامہ کے ہاتھ سے خچر کو ہانکنے والا تازیانہ گر گیا۔ اس شخص نے جھک کر تازیانہ اٹھایا اور شیخ کو دیتے ہوئے جواب دیا کہ کیوں نہیں صاحبؑ امر کو دیکھ سکتے حالانکہ اُنؐ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ پس علامہ نے بے اختیار خود کو خچر سے زمین پر گرا دیا کہ قدم بوسی کریں۔ لیکن بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو کوئی موجود نہ تھا''۔

(2) اسی طرح کتاب ''ملاقاتِ امامؑ'' از جناب مولانا السید محمد صاحب قبلہ مجتہد امروہوی، کے صفحہ نمبر 232 واقعاتِ متعلقہ مذہبی مباحث نمبر 54 سے تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحارالانوار میں اپنے قریبی زمانہ کے بعض معتمد افاضل سے سنا ہوا یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ جس زمانہ میں ولایت بحرین کا تعلق انگریزوں سے تھا تو انہوں نے ایک مسلمان کو اس خیال سے والی بحرین بنایا کہ مسلم حکومت کی وجہ سے وہاں کے تعمیری اور اصلاحی حالات قابلِ اطمینان رہیں گے۔ وہ والی نواصب میں سے تھا اور وزیر اس سے بھی زیادہ عداوت اہل بیت رسولؐ میں ایسا سخت تھا کہ ہمیشہ مومنین بحرین کے درپے آزار رہتا اور اس نسبت محبت اہلبیت رسالتؐ کی وجہ سے ان کو طرح طرح کے نقصانات پہنچاتا اور مکر وحیلہ سے ان کی جان کی فکر میں رہا کرتا ایک روز اس نے والی بحرین کو ایک انار دیا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُـحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَعَـلِیٌّ خُلَفَاءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔حاکم نے غور کیا تو یہ سمجھا کہ جو کچھ لکھا ہوا وہ قدرتی طریقہ پر ہے اور یہ تحریر انار کے ساتھ کی پیداوار ہے اسکا تعلق انسان کی کاری گری سے نہیں ہوسکتا وہ بہت متعجب ہوکر وزیر سے کہنے لگا کہ یہ نوشتہ رافضیوں کا مذہب جھوٹا ہونے کی بڑی روشن علامت اور اس کے غلط ثابت کرنے کے لئے زبردست دلیل وقوی حجّت ہے۔اب ان لوگوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔وزیر نے کہا کہ یہ بڑے سخت لوگ ہیں دلیلوں کو بھی نہیں مانتے مگر مناسب ہے کہ ان کو بلایئے اور یہ انار دکھایئے اگر انہوں نے اس کو مان لیا اور اپنے مذہب کو چھوڑ دیا تو آپ کو بڑا ثواب ہوگا اور اگر انکار کریں اپنے مذہب سے نہ ہٹیں تو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت اختیار کرنے کا ان کو حکم دیجئے۔جس کو چاہیں اپنے لئے پسند کریں یا تو جزیہ دیں اور ذلیل ہوکر رہیں یا اس دلیل کا جواب دیں یا ان میں سے مردوں کو قتل کرادیا جائے عورتیں بچے قیدی بنا لئے جائیں۔ان کا مال مالِ

غنیمت شمار کیا جائے چنانچہ وزیر کی رائے والی کو پسند آئی اور بڑے بڑے لوگ علماء وافاضل
کی حاضری کا حکم دے دیا گیا۔ جب یہ تمام جمع ہو کر آئے تو حاکم نے ان کے سامنے وہ انار
پیش کیا اور کہا کہ آپ صاحبان اس کا شافی جواب دیں ورنہ آپ لوگوں میں کے سب مرد قتل
کر دیئے جائیں گے۔اور عورتیں بچے اسیر ہوں گے سب کا مال ضبط ہوگا یا آپ لوگ جزیہ
دیں گےاور کفّار کی طرح ذلّت کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ جب ان مومنین نے یہ باتیں سنیں
تو لرزنے لگے چہرے متغیر ہو گئے متحیر تھے کہ کیا جواب دیں بالآخران میں سے چند بزرگوں
نے یہ کہا کہ ہم کو تین روز کی مہلت ملنی چاہئے ممکن ہے کہ ایسا جواب پیش کیا جائے جس سے
آپ راضی ہو جائیں اور اگر اس درمیان میں ہم جواب نہ دے سکے تو آپ جو چاہیں
ہمارے ساتھ عمل کریں پس ان کی اس درخواست کو حاکم نے منظور کر لیا اور یہ لوگ نہایت
خوف وحیرت کے عالم میں وہاں سے واپس ہوئے اپنا ایک جلسہ کیا جس میں کافی تبادلہ
خیالات ہوتا رہا نتیجہ میں یہ رائے قرار پائی کہ بحرین کے صالحین وزاہدین میں سے دس
آدمیوں کا انتخاب کیا جائے پھر ان دس میں سے تین صاحبان منتخب ہوں چنانچہ اوّل روز
ان تین میں سے ایک صاحب کو اس کام پر معمور کیا گیا کہ آج رات کو جنگل کی طرف جاؤ
عبادت الٰہی میں مشغول ہو اور سرکار حضرت حجّت علیہ السلام کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرو
شاید حضرتؑ اس بلائے عظیم سے نجات کا راستہ تمہیں تلقین فرمائیں وہ گئے اور پوری رات
خضوع وخشوع کے ساتھ عبادت وتضرع وزاری میں گزاری رو رو کر بارگاہ الٰہی میں دُعائیں
کیں اور حضرت حجت علیہ السلام سے فریاد کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی مگر کچھ نہ ہوا
اور واپس آ گئے ۔ دوسری شب کو دوسرے بزرگ بھیجے گئے وہ بھی پہلے صاحب کی طرح

رات بھر دعا میں مصروف رہے لیکن کوئی خبر لے کر نہ آئے۔ جس سے مومنین کی بیقراری بڑھ گئی پھر تیسرے بزرگ جو بڑے متقی پرہیزگار فاضل تھے اور جن کا نام محمد بن عیسیٰ تھا تیسری شب کو سروپا برہنہ صحرا میں گئے رات بہت اندھیری تھی رورو کر دعائیں کرتے رہے امامؑ زمانہ سے فریادیں کیں کہ مومنین سے اس بلا کو دفع فرمایئے جب شب کا آخری وقت ہونے لگا تو انہوں نے آواز سُنی کہ کوئی یہ خطاب کر رہا ہے۔ اے محمد بن عیسیٰ تمہاری یہ کیا حالت ہے اور کیوں؟ اس وقت بیابان میں ہو۔ انہوں نے جواب دیا مجھے میرے حال پر رہنے دو میں ایک بہت بڑے کام کے لئے آیا ہوں جس کو سوائے اپنے امامؑ کے کسی سے بیان نہیں کرسکتا۔ اسی کی خدمت میں اپنی مصیبت کی شکایت پیش کروں گا جو اس کو دفع کرسکتا ہو۔ فرمایا اے محمد بن عیسیٰ میں ہی صاحب الامرؑ ہوں جو تمہاری حاجت ہے کہو محمد بن عیسیٰ نے عرض کیا کہ اگر آپ صاحب الامرؑ ہیں تو سارا قصہ خود جانتے ہیں میرے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے فرمایا کہ ہاں تم ٹھیک کہتے ہو تم تو اس مصیبت کے سلسلہ میں گھر سے نکلے ہو جو انار کے معاملے میں تم سب کو پیش آئی ہے اور حاکم نے تم لوگوں کو ڈرایا دھمکایا ہے محمد بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ یہ کلام معجز سن کر میں نے اس جانب رخ کیا جدھر سے یہ آواز آئی تھی اور عرض کیا اے میرے مولاؑ جس بلا میں ہم مبتلا ہیں وہ آپؑ کو خوب معلوم ہے مولاؑ آپ ہی ہمارا ماویٰ وملجا و جائے پناہ ہیں اور اس مصیب کو دور کرنے پر قادر ہیں فرمایا اے محمد بن عیسیٰ وزیر کے گھر میں ایک انار کا درخت ہے جس وقت اس میں انار آنے لگے تو اس نے مٹی سے انار کی شکل بنائی اور اس کے دو حصے کر کے ہر ایک ٹکڑے میں اندر کی طرف تھوڑی وہ عبارت لکھ دی اور درخت کے ایک انار پر جو چھوٹا سا تھا ان دونوں ٹکڑوں کو باندھ دیا اور یہ

انار اس قالب کے درمیان بڑھتا رہا جس کی وجہ سے وہ تحریر انار پر بھی اتر آئی ہے جب صبح کو تم حاکم کے پاس جاؤ تو کہنا کہ میں جواب لے کر آیا ہوں لیکن وزیر کے گھر پر بیان کر سکتا ہوں حاکم ساتھ جائے گا جب مکان کے اندر پہنچو تو داخل ہوتے ہوئے اپنی داہنی جانب ایک بالا خانہ دیکھو گے حاکم سے کہنا کہ میں اس کے اندر چل کر جواب دوں گا جس سے وزیر انکار کرے گا مگر تم اس بات پر جمے رہنا اور اس کا خیال رکھنا کہ وہ تم سے پہلے تنہا اس پر نہ چڑھنے پائے جب وہاں پہنچو گے تو ایک سفید تھیلی طاق میں رکھی ہوئی نظر آئے گی اس پر قبضہ کر لینا اسی میں مٹی کا وہ سانچہ موجود ہے پھر انار اس قالب میں رکھ کر حاکم کو دکھانا تا کہ ساری کاروائی کھل جائے۔اے محمد بن عیسیٰ تم حاکم سے یہ بھی کہنا جو ہمارا دوسرا معجزہ ہے کہ اس انار میں سوائے خاکستر اور دھوئیں کے کچھ نہیں ہے اگر آپ تصدیق چاہتے ہیں تو وزیر کو حکم دیجئے کہ وہ اس کو توڑے جس وقت وہ اس کو توڑے گا تو انار سے خاک اور دھواں اٹھ کر اس کے چہرے اور داڑھی پر جا پڑے گا۔پس امام علیہ السلام کی یہ پوری رہنمائی سن کر محمد بن عیسیٰ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا حضرتؑ کے سامنے کی زمین کو بوسہ دیا اور نہایت مسرت کے ساتھ شہر کو واپس ہوئے اپنے سب لوگوں کو کامیابی کی خوشخبری پہنچائی۔علی الصباح مومنین حاکم کے یہاں گئے اور محمد بن عیسیٰ نے تمام ان امور کی تعمیل کی جن کا حضرتؑ نے حکم دیا تھا۔اور وہ سب باتیں ظاہر ہوگئیں جن کی براہِ اعجاز حضرتؑ نے خبر دی تھی جس پر حاکم محمد بن عیسیٰ سے کہنے لگا کہ یہ بتاؤ کہ یہ تمام حالات تمہیں کیسے معلوم ہوئے انہوں نے جواب دیا کہ حجت خدا امام زمانؑ نے مطلع فرمایا ہے۔حاکم نے دریافت کیا کہ تمہارے امام کون ہیں انہوں نے ہر ایک امامؑ کے متعلق بارہویں امام علیہ السلام تک جو کچھ کہنا تھا بیان کر دیا حاکم

نے کہا اپنا ہاتھ بڑھایئے اور کہا کہ میں اس مذہب پر بیعت کرتا ہوں۔ **اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد اَن محمدؐ رسول اللّٰہ و ان علیاً ولی اللّٰہ و وصی رسول اللّٰہ و خلیفۃُ بلا فصل** ۔ پھر باقی آئمہ علیھم السلام میں ہر ایک کا نام لے کر امامت وولایت کا اقرار کیا اور بڑا اچھا ایمان والا ہو گیا اور وزیر کو قتل کر دایا اہل بحرین سے بہت معذرت کی اور اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آنے لگا یہ واقعہ اہل بحرین میں بہت مشہور ہے اور فاضل متقی محمد بن عیسیٰ کی قبر بھی وہیں ہے جس کی زیارت کے لئے لوگ آتے ہیں''۔

ان واقعات کی روشنی میں قارئین کرام غور فرمائیں اور سوچیں کہ یہ کیا ہی خوبصورت حق وحقیقت، دین و دیانت اور فطرت پر مبنی بات ہوتی اگر اس دور میں بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا ہوتا۔ جدید تقاضوں کا کوئی بھی مسئلہ درپیش آتا اور اگر ہمیں قرآن و حدیث میں اس کا حل نہیں ملتا اس لئے کہ ہم القرآن الحکیم کے عالم نہیں ہیں۔ جبکہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں کائنات کی ہر خشک وتر شے کا ذکر موجود ہے۔ ہم امام العصر والزمانؑ حجۃ اللہ، ہدایت کرنے کی ذمہ دار ہستیؑ عالم و معلمِ القرآن کے حضور درخواست پیش کرتے اور وہ حضرتؑ جس طرح پہلے ہدایت فرماتے رہے ہیں اب بھی ہماری راہنمائی فرما دیتے کہ تمہارے اس مسئلے کا حل فلاں آیت وحدیث میں ہے۔ اس طرح ہمارا مذہب اختلاف و افراق سے محفوظ رہتا۔ ہمارا مذہب خالص رہتا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے درمیان اتحاد و اتفاق وہم آہنگی کا صرف اور صرف یہی ذریعہ ہے۔ اس طرح نہ ہم قرآن واحادیث کی ہمہ گیری سے انکار کرتے نہ ہمیں آیات واحادیث کو تقسیم کر کے احتمالات کی بھینٹ چڑھانے کی ضرورت محسوس ہوتی نہ قرآن واحادیث کی غلط تاویلات کر کے اپنے زیغ پر

فِٹ کرتے۔ نہ اجتہادی غلطی کے باطل احکامات سے مذہب پراگندہ ہوتا، اللہ ورسولؐ پر ناکمل وناقص دین پہنچانے کی تہمت لگانے کی جسارت سے باز رہتے۔ نہ ہی غیر معصوم کی تقلید کے بکھیڑوں میں پڑتے۔ نہ ہمیں خطا کار انسانوں کو معصوم اور معصومینؑ کو خطار کار ثابت کرنے کی ضرورت پیش آتی، اجتہادی غلطی پر بھی ثواب ملنے کی توقع نہ رکھی جاتی یاد رہے کہ واقعہ کربلا بھی اسی نظام کا شاخسانہ ہے۔ علم حاصل کرنا بھی فرض کفائی قرار نہ دیا جاتا۔ عوام کی توہین بھی نہ ہوتی۔ ظنی مسائل بلا دلیل احکامات بھی انسانوں پر مسلط نہ ہوتے۔ حرام وحلال میں تمیز رہتی۔ سب سے بڑی اور اہم بات یہ کہ احتیاجِ امام زمانہؑ ختم نہ ہوتی۔ اور ہمیں ہمہ وقت منتظر رہنے کی سعادت نصیب ہوتی۔ ملاقات کے مرتبہ تک پہنچنے اور آنحضرتؐ کی زیارت کے نتیجہ میں سعادت ہماری طرف بڑھ کر پہنچتی۔ اور نعمات وعلومِ خداوندی سے مالا مال ہوتے۔ اللّٰھم صلِّ علیٰ محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

تحقیق: الفقیھہ الحکیم السّید محمد احسن زیدی (مجتھد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

ماخوذ از: اسلام اور علمائے اسلام، اسلام میں نظامِ ہدایت وتقلید